صفر المظفر / ربیع الاول ۱۴۴۸ھ جولائی / اگست ۲۰۲۶ء JULY & AUG.-2026 Rs. 60/-

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مبارک ہو

مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا

بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA, BAREILLY SHAREEF

مدیر اعلیٰ مدظلہ العالی

بہتر کون؟
گیارہ قیمتی اثاثے
ائمۂ کرام توجہ دیں
جمال ونوال کی عید
روشن ضمیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ہم اور ہماری ترجیحات
اہل سنت کے عقائد ونظریات
معاشرے کا معمار! استاذ
بولتا جہل ہے بدنام خرد ہوتی ہے
ماہِ صفر! حقیقت یا نحوست
امام احمد رضا! متشدّد یا متصلّب
گر کر سنبھلنا ہی اصل زندگی ہے
حضور تاج الشریعہ! بحیثیت شاعر
مصطفیٰ جان رحمت کا حلیۂ مبارک
امام احمد رضا اور سنیوں کی حالت زار
مکتب کے اساتذہ اور احساس کمتری
امام احمد رضا کی نادر و بے مثال شاعری
میلاد مصطفیٰ کے جواز پر لکھی گئیں کچھ کتابیں
دوسو سالہ خدمات افتا اور خاندان اعلیٰ حضرت
امام اہل سنت اور دفاع ناموس رسالت
علمائے اہل سنت رام پور کی علمی اور دینی خدمات
خوشی ومسرت کا اسلامی تصور اور میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عالم اسلام کو عرس رضوی مبارک ہو

مدیر: مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

مرکز الدراسات الإسلامية جامعۃ الرضا بریلی شریف یوپی، ہند

CENTER OF ISLAMIC STUDIES JAMIATUR RAZA

MARKAZ NAGAR MATHURAPUR, C.B.GANJ, BAREILLY SHARIF (U.P.)

Imam Ahmad Raza Trust

82-Saudagran, Raza Nagar, Bareilly U.P.-243003 (India)

امام احمد رضا ٹرسٹ

۸۲/سوداگران، رضا نگر، بریلی شریف، یوپی (الہند)

E-mail: imamahmadrazatrust@aalaahazrat.com
imamahmadrazatrust@yahoo.co.in
Website: www.aalaahazrat.com, jamiaturraza.com, hazrat.org

Contact No. +91 0581 3291453
+91 9897007120
+91 9897267869

State Bank of India, Bareilly. A/C No. 030078123009 IFSC Code : SBIN0000597

HDFC Bank, Bareilly A/c No. 50200004721350 IFSC Code : HDFC0000304

بیادگار

امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی،
مفتئ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

بانی و سرپرست روحانی

وارث علوم اعلیٰ حضرت عکس حجۃ الاسلام ثانی
مفتئ اعظم نور دیدۂ مفسر اعظم تاج الشریعہ
بدر الطریقہ حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد اختر رضا
خاں قادری ازہری بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست و مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت شہزادۂ و جانشین تاج الشریعہ
قاضی القضاۃ فی الہند پیر طریقت رہبر شریعت
قائد ملت حضرۃ العلام الحاج الشاہ المفتی
محمد عسجد رضا
خاں قادری نوری بریلوی
مدظلہ العالی

مسلک اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنی دنیا
بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

مدیر: مفتی محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

صفر المظفر / ربیع الاول ۱۴۴۸ھ

جولائی / اگست ۲۰۲۶ء

شمارہ نمبر ۷-۸

Issue No.7-8

جلد نمبر ۱۱

Vol. 11

قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے	سالانہ ۳۵۰ روپے سادہ ڈاک سے	سالانہ ۶۰۰ روپے رجسٹرڈ ڈاک سے	پاکستان، سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ۱۲۰۰ روپے	امریکہ اور دیگر ممالک سے ۳۵ امریکی ڈالر

انتباہ

کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی شریف کے کورٹ میں قابل سماعت ہوگی، مضمون نگار اور اہل قلم کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

ہدایت

قارئین کرام رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دوپہر ۲ بجے تک موبائل نمبر 8755096981 پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

التماس

اہل قلم حضرات اور شعرائے اسلام سے التماس ہے کہ اپنے کمپوز شدہ مضامین و منظومات کی ان پیج یا ڈوک فائل رسالہ کی ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

تزئین کار

عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا

محمد تمہید خان عرشی فائزہ پرنٹرس، حامدی مارکیٹ

رابطہ کا پتہ

ماہنامہ سنی دنیا
۸۲ / سوداگران، درگاہ اعلیٰ حضرت
بریلی شریف پن نمبر ۲۴۳۰۰۳

Email:
sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com
atiqahmad@aalaahazrat.com

Visit Us:
www.sunniduniya.com
www.aalaahazrat.com
www.cisjamiaturraza.ac.in

Contact Address

MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82-Saudagran, Dargah Aalahazrat
Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003
Contact Numbers
0581-2458543, 2472166, 3291453

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس، بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲ / سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

اس شمارے میں

کالم	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ	امام احمد رضا! متشدّد یا متصلّب	محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی	5
اسلامیات	بہتر کون؟	علامہ اولاد رسول قدسی	۷
///	ماہِ صفر! حقیقت یا نحوست	مولانا اشفاق عالم امجدی	۱۵
///	اہل سنت کے عقائد و نظریات	مولانا محمد اصغر علی مصباحی	۱۷
///	گر کر سنبھلنا ہی اصل زندگی ہے	محمد فداء المصطفیٰ قادری	۱۸
///	روشن ضمیر رسول ﷺ	ڈاکٹر اقبال اختر القادری	۲۱
///	خوشی و مسرت کا اسلامی تصور اور میلاد مصطفیٰ ﷺ	غلام مصطفیٰ رضوی	۲۴
	میلاد مصطفیٰ کے جواز پر لکھی گئیں کچھ کتابیں	محقق علی الشاذلی	۲۶
///	معاشرے کا معمار! استاذ	محمد توصیف رضا ضیائی	۳۳
///	مصطفیٰ جان رحمت کا حلیۂ مبارک		۳۴
///	گیارہ قیمتی اثاثے	ذوالفقار احمد فریدی	۳۷
اسلاف واخلاف	علمائے اہل سنت رام پور کی علمی اور دینی خدمات	مفتی سید فیصان رضا حسنی	۳۸
رضویات	جمال و نوال کی عید	دلاور خان	۴۲
///	امام احمد رضا کی نادر و بے مثال شاعری	مولانا زاہد علی مرکزی	۴۴
///	امام احمد رضا اور سنیوں کی حالت زار	ابو محمد عارفین القادری	۵۲
///	بولتا جہل ہے بدنام خرد ہوتی ہے	مفتی محمد عالم رضا نوری ازہری	۵۳
///	امام اہل سنت اور دفاع ناموس رسالت	محمد رمضان رضا قادری	۵۶
///	دو سو سالہ خدمات افتا اور خاندان اعلیٰ حضرت	حافظ افتخار احمد قادری	۶۰
ازہریات	حضور تاج الشریعہ! بحیثیت شاعر	مولانا شہزاد عالم رضوی	۶۳
احوال قوم وملت	ہم اور ہماری ترجیحات	مفتی غلام مصطفیٰ نعیمی ہاشمی	۶۶
///	ائمۂ کرام توجہ دیں	مولانا محمد عامر فضیل مرکزی	۶۸
///	مکتب کے اساتذہ اور احساس کمتری	محمد بلال احمد نظامی	۶۹
///	معاشرے دینی رجحان کا خاتمہ! اسباب و علل	مولانا محمد اشرف رضا قادری	۷۰
///	مسلمان! غلامی سے غلامی تک	حفیظ علیمی گونڈوی	۷۲
///	دنیا کی پہلی خوشبو فیکٹری اور مسلمان	جاوید چودھری	۷۳
احوال وطن	مذہبی وراثت پر بلڈوزر! جمہوری قدروں کا امتحان	حافظ افتخار احمد قادری	۷۵

///	اگر مکاتب و مدارس ختم ہو گئے تو....؟	محمد شمیم	۸۰
نقد و نظر	غدیر خم سے متعلق ایک خطیب کے گمراہ کن نظریات	مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی	۸۱
ترغیبات	فکر آخرت	علامہ مفتی محمد صالح بریلوی قادری	۸۸
یادرفتگاں	جہاں سنیت کا ایک روشن ستارہ غروب ہو گیا	مفتی محمد مقصود عالم فرحت ضیائی	۹۰
///	قاطع نجدیت علامہ محمد حسن علی میلسی کا وصال	مفتی محمد راحت خاں قادری	۹۱
مختصرات	مہر فاطمی اور فقہ رضا	سید مہتاب عالم	۹۴
///	بھاجپائی حکومت اور مسلمانان ہند	مولانا محمد طارق انور مصباحی	۹۴
منظومات	زبان پر حمد رب اور نغمۂ صل علیٰ ہوگا	مولانا محمد اشرف رضا قادری	۹۵
///	ارض طیبہ کی طرح فخر سموات کہاں	سید خادم رسول عینی	۹۵
///	حبیب کبریا کا مرتبہ کس کو پتہ کیا ہے	مولانا مدثر حسین اشرفی	۹۵
///	تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت	مولانا محمد حسیم اکرم مرکزی	۹۵
///	سنیوں کی جان ہیں اختر رضا	محمد کلام رضا	۹۷
///	جہان اہل سنت کے ہیں رہبر قائد ملت	قاری محمد رضوان عالم رضوی	۹۸
///	ہیں جلوہ حضرت عسجد رضا تاج الشریعہ کا	مولانا پھول محمد نعمت رضوی	۹۸

اداریہ

برصغیر ہندو پاک کی علمی و دینی تاریخ میں امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ القوی (1856ء–1921ء) ایک ایسی نادر روزگار شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ، حدیث، تفسیر، عقائد، تصوف اور اصلاحِ معاشرہ کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی علمی وسعت اور فقہی بصیرت کا اعتراف ان کے موافقین کے ساتھ ساتھ بہت سے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

تاہم ان کے اسلوبِ نگارش اور دوٹوک فتاویٰ کی روش کو لے کر ان پر بعض حلقوں کی جانب سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ "متشدد" بھی تھے۔ آئیے سب سے پہلے اس بحث کو درست نتیجہ تک پہنچانے کے لیے "متشدد" اور "متصلب" کے درمیان موجود جو باریک لکیر ہے، اسے مزید واضح کرتے ہیں، تاکہ حق اور باطل کے درمیان فرق ظاہر و باہر ہو سکے۔

تشدّد کا علمی مفہوم

لفظ "تشدّد" کا معنی ہے: شدت، اعتدال سے تجاوز اور ایسی سختی جس میں حکمت و مصلحت کا لحاظ نہ رہے، اسلامی شریعت کی رو

سے تشدد کا مطلب ہے" حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنا اور مباح یا اجتہادی امور میں ایسی سختی پیدا کرنا جو دین کی اصل روح کے منافی ہو" متشدد فرد فروعی، ظنی اور اجتہادی مسائل میں اختلافِ رائے کو برداشت نہیں کرتا۔ مخالفین کی نیت پر حملہ کرتا ہے اور فہم کی غلطی کو کفر و ارتداد کا نام دیتا ہے۔ دلیل کے بجائے جذبات، سماجی بائیکاٹ اور تکفیر کو ہتھیار بناتا ہے۔

تصلّب کا علمی مفہوم

تصلّب کا لغوی معنیٰ "مضبوط ہونا" ہے، دینی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے" ضروریاتِ دین، قطعی عقائد اور اصولِ شرع پر اس طرح مضبوطی سے قائم رہنا کہ وہاں مصلحت پسندی، مداہنت یا لچک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ متصلّب فرد دین کی بنیادی حد بندیوں کا تحفظ کرتا ہے۔ اس کی سختی کسی ذاتی دشمنی یا نفسیاتی غصے کا نتیجہ نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مقصد اپنے نظریے کی بقا اور تحفظ ہوتا ہے۔ وہ اصولوں پر سمجھوتہ کیے بغیر مسلمہ فقہی قواعد کے اندر رہ کر بات کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی شخص محض اپنے ذاتی مفاد و مزاج یا ضد کی بنیاد پر سختی کرے تو اسے "تشدّد" کہا جائے گا، لیکن اگر کوئی عالم دلیل، اصول اور اپنے مذہبی موقف کی حفاظت کے لیے اس پر مضبوطی اختیار کرے تو اسے "تصلّب" کہا جائے گا۔

امام احمد رضا کا علمی منہج

امام احمد رضا کی پوری زندگی تفہیم و تحقیق اور فقہ وافتا کی خدمت میں گزری۔ ان کی تصانیف کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے، جن میں سب سے نمایاں فتاویٰ رضویہ ہے، جو فقہ حنفی کا ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا شمار ہوتا ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی بھی مسئلے پر قرآن، حدیث، فقہ حنفی اور اقوالِ ائمہ کی روشنی میں گفتگو کرتے تھے۔ ان کے فتاویٰ میں استدلال کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا موقف محض جذباتی نہیں بلکہ علمی اور تحقیقی بنیادوں پر قائم تھا۔

امام احمد رضا نے جن دیوبندی علما یا مرزا غلام احمد قادیانی پر کفر کا فتویٰ دیا، اس کی بنیاد فروعی مسائل نہیں تھے، بلکہ وہ "ضروریاتِ دین" اور "ناموسِ رسالت" سے تعلق رکھتے تھے، جن عبارات پر انہوں نے گرفت کی، ان میں صریح طور پر اللہ کی شان میں عیب یا رسول اللہ ﷺ کی توہین جھلکتی ہے، جب یہ روش خالص عقیدے کی بنیاد پر ہے تو اسے فقہی اصطلاح میں "تصلّب" کہا جائے گا، نہ کہ تشدد!

امام احمد رضا کا دور اور اس کے تقاضے

امام احمد رضا کے مخالفین بعض مواقع پر ان کے سخت الفاظ یا بعض فتاویٰ کو بنیاد بنا کر انہیں "متشدد" قرار دیتے ہیں، لیکن ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے اس دور کے مذہبی ماحول کو دیکھنا ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نوآبادیاتی اثرات بڑھ رہے تھے، جدید افکار و نظریات اصل مذہبی تصورات کو چیلنج کر رہے تھے، مختلف مکاتب فکر کے درمیان مناظراتی ماحول تھا۔ ایسے حالات میں امام احمد رضا اور دیگر بہت سے علمائے کرام نے اپنے مذہبی عقائد و نظریات کی حفاظت کے لیے سخت علمی زبان اختیار کی، جس کا بنیادی مقصد اہل سنت کے عقائد و نظریات اور فقہی اصولوں کا دفاع تھا، اس وقت اسلامیانِ ہند کو درج ذیل چیلنجز کا سامنا تھا:

1 برطانوی استعمار کے ذریعہ مسلم شناخت کو ختم کرنے کی سازش۔
2 شدھی تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی مہم۔
3 نئے داخلی مسالک کے ذریعہ روایتی اسلامی افکار و نظریات پر فکری حملے۔

ان کشمکش حالات میں امام احمد رضا نے محسوس کیا کہ اگر روایتی اسلام (جو صدیوں سے چلا آرہا ہے) کے گرد ایک مضبوط فکری حصار نہ کھینچا گیا تو الحاد، نیچریت اور جدیدیت پسند تحریکیں مسلم معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر دیں گی اور اسلام کا خوب صورت بقیہ ص ۹۳ر پر

اداریہ

ازـ: علامہ سید اولاد رسول قدسیؔ*

بہتر کون؟

ربّ کائنات جل جلالہ وعم نوالہ کا بے پایاں کرم کہ اس نے ہمیں ایسے مہتم بالشان رسول کی امت میں پیدا کیا جو تمام رسولوں سے افضل واعلیٰ اور برتر و بالا ہیں۔ کرم اور بالائے کرم یہ کہ جو چیزیں سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منسوب ہو گئیں وہ بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تر گئیں۔ یوں تو انسانوں کے رشد وہدایت کے لیے ربِّ لم یزل نے ایک سو چار ۱۰۴ کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے مگر قرآن مقدس جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا کو ان سب سے افضل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ہر نبی کے صحابہ بھی بلا شبہ انتہائی معظم و محترم ہیں مگر ان سب صحابہ سے حد درجہ فائق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام ہیں۔

اسی طرح خداوند قدوس نے سابق انبیائے کرام اور رسلِ عظام علیہم السلام کی امتوں کے بالمقابل اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتوں کو خیر امم ہونے کا اعزاز بخشا جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے؛ ترجمہ۔ تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

مذکورہ آیت کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کی امت کو بہترین امت قرار دینے کی جو اہم وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایسی ربِّ قدیر کے حبیب کی پسندیدہ امت ہے جو بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اس سے پہلے کہ ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وافادیت کو بالتفصیل اجاگر کریں اس آیت کریمہ کا سببِ نزول مع پسِ منظر ملاحظہ کریں۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے قبل بڑے بڑے علمائے یہود اہل مدینہ کو کتاب اللہ کی روشنی میں یہ بتاتے رہے کہ عن قریب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ورودِ مسعود ہونے والا ہے۔ ساتھ ساتھ آپ کی وہ ساری علامتیں اور صفتیں بھی بیان کرتے رہے جو توریت کے اندر مذکور تھیں۔ علمائے یہود اہل مدینہ کو یہ بھی دھمکی دیا کرتے تھے کہ اگر تم نبیٔ آخر الزماں پر ایمان نہ لائے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم مشرکوں کو یا تو مدینے سے نکال کر باہر کر دیں گے یا پھر تمھیں نیست و نابود کر دیں گے۔ مگر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں تو ان کے اندر یکا یک حسد و تعصب کی آگ بھڑک اٹھی کیوں کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ خاتم الانبیّن بھی بجائے بنو اسمٰعیل علیہ السلام کے بنو اسحاق علیہ السلام سے ہوں کیوں کہ انھیں پتہ تھا کہ پیغمبروں کی ایک کثیر تعداد کا تعلق بنو اسحاق علیہ السلام سے تھا اور بنو اسمٰعیل علیہ السلام سے ایک بھی نبی مبعوث نہیں کیا گیا۔

جب سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ جوق در جوق کفر وشرک سے تائب ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے اور آپ کے دامن کرم سے مربوط ہو کر آپ پر دل وجاں سے سرشار وفدا ہونے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا من، دھن تن سب کچھ قربان کرنے لگے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ میں آباد عرب کے دو قبیلے اوس وخزرج کے مابین اس قدر اختلافات جڑ پکڑ چکے تھے کہ ایک دوسرے کو پھوٹی آنکھ بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ شدید تر اختلاف کے سبب دونوں کے مابین خوں ریز و تباہ کن جنگ بعاث چھڑی اور انجام کار دونوں قبیلوں کے تقریباً تمام مشاہیر بہادر آپس میں لڑ بھڑ کر نیست و نابود ہو گئے۔ نتیجتاً ان کی قوت و طاقت اور عزت و شہرت کالعدم

*مضمون نگار کیلی فورنیا امریکہ میں مقیم اہل سنت معروف قلم کار اور نقاد ہیں۔

ہو کر رہ گئی، ناتوانی و کمزوری کی عمیق دلدل میں پھنستے اور دھنستے چلے گئے، اس کا بھر پور فائدہ اٹھایا مدینے میں بسنے والے یہودیوں نے۔ چونکہ یہ اوس وخزرج کے بالمقابل زیادہ تعلیم یافتہ اور منظم و متحد تھے جس کی بنیاد پر دونوں قبیلوں پر ان کی ایسی بالادستی قائم تھی کہ یہ ان کے سامنے مغلوب اور ان کے مکمل طور پر زیرِ اثر تھے۔

اس حقیقت سے کوئی بھی انسان چشم پوشی نہیں کرسکتا ہے اور نہ کسی کو مجالِ انکار ہوگی کہ رسولِ ہاشمی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کے بعد آپ کی تعلیم وتادیب اور صحبت بافیض کا ایسا زریں اثر مرتب ہوا کہ بھائی چارگی اور رواداری کی فضائیں ہموار ہوئیں کہ دونوں قبیلے نہ صرف یہ کہ شیر وشکر بن گئے بلکہ ان کی باہم اخوت ومحبت قیامت کے لیے ایک ضرب المثل بن کر رہ گئی۔

اوس وخزرج کا یہ فقید المثال ارتباط والتفات بھلا یہودیوں کو کیوں کر ہضم ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ آئے دن یہ مدینے والوں کو اسلام اور بانیٔ اسلام کے خلاف بھڑکاتے رہتے اور بڑی کوششیں کرتے رہے کہ کسی طرح مسلمان دامن اسلام سے الگ ہو کر بانیٔ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں تا کہ حسبِ سابق ہماری بالادستی ان پر قائم ودائم رہے۔ قابلِ تحسین ہیں مسلمانانِ مدینہ کہ انھوں نے اپنے استحکام ایمان کا ایسا بیّن ثبوت فراہم کیا کہ یہودیوں کی تمام تر کوششیں اور ہلاکت خیز سازشیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ علمائے یہود میں سے مالک ابن صیف، وہب بن یہودا نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل سمیت دیگر انصار صحابۂ کرام کو اپنے دامِ فریب میں لینے کی بڑی کوشش کی لیکن جب ان کی ایک بھی دال نہ گلی تو پینترا بدلتے ہوئے بڑے ہمدردانہ ومخلصانہ انداز سے کہنے لگے کہ یارو! یہاں بانیٔ اسلام کے آنے سے پہلے ہم سب آپس میں کس قدر مل جل کر رہتے تھے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ دیا کرتے تھے مگر اب تمھیں کیا ہو گیا کہ تم لوگوں نے مکمل طور پر ہم سے رشتہ وناطہ توڑ کر مسلمانوں کو اپنے سر آنکھوں میں بٹھالیا اور ان پر صبح وشام محبت واخوت کا زم زم چھڑکنے لگے۔ ہم یہ دیکھ رہے ہیں قلب وجگر سب نچھاور کر رہے ہو، ان کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر اپنی تقدیر کو باعثِ صد افتخار سمجھ رہے ہو، تم ان کے ایسے شیدائی وفدائی بن گئے ہو کہ ان کے بغیر تمھیں ایک لمحہ بھی راس نہیں آتا صبح وشام، شب وروز تم ان کی صحبت بافیض میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات گزارنے میں فخر محسوس کر رہے ہو۔

یہودیوں نے مزید کہا کہ دیکھو مسلمانو! ہم تمھارے خیر سگال و بہی خواہ ہیں لہٰذا اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ ہماری مانو اسلام اور بانیٔ اسلام کو چھوڑ کر تم یہودیت اختیار کر کے دائمی امن ونجات کے پرسکوں سائباں میں آجاؤ۔ ہم تمھارے سامنے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ہم اس کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ تمھیں مال ومتاع سے مالا مال کر دیں گے بلکہ تمھیں اعلیٰ سے اعلیٰ تر منصب پر فائز کر کے تمھاری عزت ووقار کو ہم دوبالا کر دیں گے، یہودیوں نے سوچا تھا کہ ہم اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ورغلا کر مسلمانوں کو دامِ مکر وفریب میں لے لیں گے اور انھیں بڑی آسانی کے ساتھ دامنِ اسلام سے ہمیشہ کے لیے منفک کر دیں گے مگر ان کی خواہشوں اور کوششوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں اور مذہب اسلام کے سچے پیروکاروں نے انھیں یہ دنداں شکن جواب دیا کہ یہودیو! تم نے ایسا سوچ کیسے لیا، تمھارے حاشیۂ ذہن پر یہ خیال کیسے ابھر آیا کہ ہم تمھاری گرگٹ جیسی چال نہ سمجھ کر تمھارے بہکاوے میں آجائیں گے۔ تم کان کھول کر سن لو! دنیا کی کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں دامن اسلام سے الگ کر سکے۔ تمھیں اسلام کی خوبیوں کا کیا پتہ؟ تم کیا جانو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جامِ عشق میں کس قدر لذت وچاشنی اور روحانی آسودگی پنہاں ہے۔ ساحل میں رہنے والے کو سمندر کی گہرائی وگیرائی کا علم نہیں ہوسکتا۔

بڑی حیران کن بات ہے کہ ابھی کل کی بات ہے تم ہمارے سامنے اسلام کی حقانیت وصداقت پر لمبے لمبے خطبے دیا کرتے تھے، تم نبیٔ آخر الزماں کی آمد پاک کا گھر گھر چرچا کرتے تھے، کل تم ہمیں اسلام کی دعوتِ تبلیغ دیا کرتے تھے۔ تم محمد عربی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں رطب اللسان رہتے تھے، تم ہمیں توریت وانجیل کی روشنی میں بانئ اسلام کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ تم ہمیں یہ کہہ کر دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ اگر تم نے اسلام قبول نہیں کیا تو ہم تمھیں مدینے سے باہر نکال دیں گے ہم یہ کریں گے ہم وہ کریں گے مگر آج اچانک تمھیں کیا ہو گیا۔ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمھاری کدو وکاوش رنگ لائی۔ تمھیں تمھاری سعئ پیہم کا حسین صلہ وتمغہ مل گیا۔ تمھاری تمنا میں بقعۂ نور بن گئی، تمھاری دلی مرادیں بر آگئیں کہ ختمی مرتبت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی آپ نے بعد ہجرت ہمارے خطۂ یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ تمھیں تمھاری محنتوں کا ثمرہ مل گیا کہ ہم تمھاری ہی ترغیب سے اثر پذیر ہو کر دامنِ اسلام کی سکون بخش چھاؤں میں آگئے مگر آج اچانک تمھیں کیا ہو گیا۔ یک بیک تمھارے سوچنے کا انداز کیسے بدل گیا۔ ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ بڑے دنوں کے بعد آج تم سے ملاقات ہوئی ہے تم ہمیں گلے سے لگا کر ہمارے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر تہنیت وتبریک کے ہدایا وتحائف پیش کرو گے مگر معاملہ بالکلیہ برعکس ہے اخیر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سے پہلے کہ یہودی علماء اپنے مدعا کی تائید میں کچھ کہتے نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام نے فرمایا کہ یہودیو! یہ بات تم سرے سے بھول جاؤ کہ ہم اسلام اور بانئ اسلام کے دامنِ کرم سے الگ ہو جائیں گے یہ ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے محال۔ تمھاری یہ تمنا ہمیشہ تشنہ تکمیل اور تمھاری آرزو یاسیت زدہ رہے گی۔ تمھاری معلومات میں اضافہ کے لیے ہم تمھیں یہ بھی بتاتے چلیں کہ ہم نے جو دین قبول کیا یہ سارے ادیان سے بہتر ہے۔ جس نبی پر ہم ایمان لائے ہیں وہ سارے نبیوں سے افضل واعلیٰ ہیں۔ جو کتاب ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمائی ہے وہ ساری کتابوں سے افضل ہے اور یہ بھی اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ ہماری قوم جملہ اقوام سے ارفع وبالا ہے۔ یہ سنتے ہی یہودی علماء نے فوراً اپنی گفتگو کی نہج بدلتے ہوئے کہا ارے مسلمانو! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ضرور تمھیں سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ تمھارے ذہن ودماغ میں ایسی باتیں ڈال دی گئی ہیں جو حقیقتِ حال سے بالکلیہ مختلف وبرعکس ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارا دین یعنی یہودیت تمام دینوں سے افضل ہے اور ہم بنی اسرائیل تمام جہاں سے اعلیٰ ہیں تو تمھیں یقین نہیں آئے گا کیوں کہ ہر شخص اپنی مدحت سرائی کرتا ہے اور خود کو اعلیٰ گردانتے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا آؤ ہم قرآن تمہارے سامنے سے اپنی افضلیت ثابت کرتے ہیں۔ کیا تمھارے قرآن میں ربِّ کائنات کا یہ ارشاد موجود نہیں ہے کہ ’’بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو تمام عالم پر فضیلت بخشی ہے۔‘‘ قبل اس کے کہ صحابۂ کرام اس کے جواب میں لب کشا ہوتے خداوند قدوس نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہودی علماء کے ادعائے باطل میں یہ آیت نازل فرمائی۔ تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔

یہاں اس شق کا ازالہ بے حد ضروری ہے کہ یہودیوں کا اپنی افضلیت پر قرآنی آیت سے استدلال قطعی درست نہیں بلکہ یہ آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے کیوں کہ بنی اسرائیل کے حق میں ربِّ کائنات نے جس افضلیت کا ذکر فرمایا وہ عارضی تھی جب کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتوں کی افضلیت دائمی ہے اور اس کا اطلاق ہر زمانے پر ہے۔ اس کی وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اس امت کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل تمام عالم میں افضل تھے لیکن اس امت کے وجود مسعود کے بعد ان کی افضلیت ختم ہو گئی اور امتِ مصطفیٰ کو قیامت تک کے لیے تمام امم سابقہ پر فضیلت عطا کر دی گئی۔

یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ امت مصطفیٰ ساری سابقہ امتوں میں افضل کیسے ہو سکتی ہیں جب کہ یہ امت تو سب سے اخیر میں منصۂ شہود میں جلوہ گر ہوئی۔ یہ اشکال وخلجان حدیثِ معراج سے بہ آسانی دور ہو جاتا ہے کہ معراج کی رات ربِّ قدیر نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ہی استفسار فرمایا کہ اے میرے حبیب! ہم نے آپ کی امت کو ساری امتوں میں آخری امت

بنایا کیا اس سے تمہاری امت کو کوئی تکلیف ہے، سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا یا الہ العالمین ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ میری امت تیری حکمت و قدرت پر صمیمِ قلب ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ تیری رضا پر ہر حال میں راضی ہے۔ ربِّ کائنات نے مزید فرمایا کہ میرے حبیب! میں نے آپ کی امت کو آخری امت اس لیے بنایا تا کہ آپ کی امت کی پردہ پوشی ہو۔ کوئی اس کے عیوب کو جان نہ سکے اور نہ بیان کر سکے۔ اب نہ کوئی قیامت تک نبی آئے گا، نہ کوئی کتاب آئے گی۔ پھر کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی آپ کی امت کے نقائص کو بے نقاب کر سکے۔

خداوند قدوس کی اس حکمت پر نثار جائیے۔ اس حکمت کے دامن میں خالقِ کائنات کی اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت سے کس قدر محبت مضمر ہے اس کا اندازہ لگانا بلا شبہ متعذر رہے۔ اگر تاریخِ عالم کا بغور اور بالتفصیل جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت مہر نیم روز کی طرح واشگاف وعیاں ہوجاتی ہے کہ امم سابقہ کے عیوب ونقائص پردۂ خفا میں نہ رہ سکے بلکہ ان کی بدعقیدگیوں اور بداعمالیوں سے تاریخ عالم کا ایک ادنی قاری بھی خوب واقفیت وشناسائی رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ خود قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ وضاحتاً بنی اسرائیل سمیت قوم لوط، قوم ثمود، قوم عاد وغیرہ کے ان افعال و کردار کا ذکر کیا جن کی بنیاد پر مذکورہ اقوام عذابِ الٰہی میں مبتلا اور قہرِ الٰہی کے شکار ہوئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان قوموں کے حالات پڑھنے اور جاننے کے بعد ہمارا سویا ہوا ضمیر بیدار ہوتا ہے۔ ہمارے مردہ احساس میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے دلوں میں خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ان واقعات کے تفصیلی بیان کے مختلف درس خیر مقاصد حسنہ میں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ان واقعات کو سننے، جاننے اور پڑھنے کے بعد ہمارے رویوں میں تبدیلی واقع ہو، ہم مقصد تخلیق کا صحیح معنوں میں ادراک کر سکیں اور اس کو عملی جامہ پہنانے میں تاحیات سعیٔ پیہم کر سکیں نتیجتاً ہمارے اخلاق میں پاکیزگی، ایمان میں چاشنی اور روح میں بالیدگی کی خوشگوار فضا ہموار ہو سکے۔ ہمارے اندر خدا اور رسول کی نافرمانیوں کی بساط باقی رہے اور نہ ہم ارتکابِ معصیت کی جسارت کر سکیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیت قرآنیہ میں لفظ ''امت'' سے مراد امتِ دعوت نہیں بلکہ امت اجابت ہے۔ کیوں کہ امتِ دعوت کی تعریف کے پیش نظر سارے کفار و مشرکین بھی رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام غیر مسلموں پر فرض ہے کہ وہ نبیٔ آخر الزماں پر ایمان لائیں۔ اس سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت رسالتِ عامہ ہے۔ یاد رہے کہ ہر بندۂ خدا امتِ مصطفیٰ ہے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان نے سہلِ ممتنع میں کیا خوب ارشاد فرمایا: ؎

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی
اِن کا اُن کا تمھارا ہمارا نبی

آیت مذکورہ میں ربِّ کائنات نے جس امت کو خیر امت فرمایا ہے اس سے مراد امت دعوت نہیں بلکہ امت اجابت یعنی وہ امت مراد ہے جس نے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بصمیم قلب مان لیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ امتِ مصطفیٰ کی افضلیت کے جہاں بہت سے اسباب وعلل ہیں وہیں اس کے سب سے اہم سبب کی خود خداوند قدوس نے مذکورہ آیت میں وضاحت فرمائی کہ یہ ایسی بہترین امت ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہے یعنی یہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔

واضح رہے کہ اس آیتِ مقدسہ میں معروف اور منکر دونوں لفظوں میں ال کا استعمال ہوا ہے۔ یہ علم نحو کے تناظر میں استغراق کے لیے ہے۔ استغراق کا مطلب یہ ہوتا ہے یہ اپنے سارے افراد کو شامل کر لیتا ہے۔ اب المعروف میں تمام قسم کے امور خیر داخل ہوجائیں گے یعنی المعروف کے ضمن میں مستحبات بشمول ایمانیات سب مراد ہوں گے۔ اسی طرح المنکر کے اندر جملہ برائیاں مکروہات سے لے کر کفریات تک سب شامل ہوجائیں گے۔

ایسے ہی ”امر“ اور ”نہی“ میں بھی تعمیم پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک مومن کو ہر قسم کی بھلائی کا حکم دینا ہے زبان سے ہو یا قلم سے، چھوٹے بڑے سے عرض کر کے، بڑے چھوٹے پر تنبیہ کر کے دوست دوست کو مشورہ دے کر۔ بالجملہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ امر و نہی کے حکم کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ بھلائیوں کو ہر اعتبار سے ہر طرف عام کیا جائے اور برائیوں کی ہر ممکن روک تھام کی جائے تا کہ پورا معاشرہ اسلامی سانچے میں ڈھل جائے اور ذرہ ذرہ شریعت کے انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہماری رفتار و گفتار، وضع قطع، چہرہ مہرہ، لباس و پوشاک، رہن سہن اور چال چلن میں ایسی پاکیزگی کے سوتے پھوٹ پڑیں گے کہ اغیار ہمیں دیکھ کر ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اگر امت مسلمہ کا ہر فرد غفلت کے دبیز پردے سے باہر نکل کر، بے ایمانی اور بدعملی کی دلدل کو چھوڑ کر، بے راہ روی اور عہد شکنی کی زنجیر کو توڑ کر، دنیاوی نام و نمود اور اپنے اندر طاری تعطل و جمود کے شیرازے کو بکھیر کر، اپنی منفی سوچوں کے رخ کو کتر کر، آپسی رسا کشی کو مٹا کر اس آیت کے حکم پر عمل پیرا ہو جائے تو پھر ہمارے معاشرے کی خرابی اچھائی سے، نفرت محبت سے، حسد رشک سے ذوق گناہ حصولِ ثواب سے، نافرمانی اطاعت شعاری سے، بغض و تعصب اخوت و الفت سے، مفاد پرستی صلۂ رحمی سے، خود پسندی رواداری سے قتل و غارت گری امن و امان سے، دنیا داری بندگی سے بدل سکتی ہے۔

امتِ مصطفیٰ کی افضلیت سے متعلق سورۂ بقرہ کے اندر خدا وندِ قدوس نے ایک اور اہم سبب یوں بیان فرمایا ”اور اسی طرح ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان اور گواہ ہیں“۔ یعنی ربِّ قدیر نے امتِ مصطفیٰ کی افضلیت کا ایک اور اہم سبب یہ بتایا کہ یہ امت انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی اور بہانگِ دہل ان کے دفاع میں ایسی سینہ سپر ہو جائے گی کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کافر امتیں اپنے دعوے میں جھوٹی ثابت ہو جائیں گی بالآخر امت مصطفیٰ کی گواہی کا ایسا دل نواز اثر مرتب ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت و حقانیت واشگاف ہو جائے گی۔

مذکورہ آیتِ مقدسہ کی تفصیل و تفسیر کے تناظر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ کل بروزِ حشر جب ربّ کائنات انبیاء کرام علیہم السلام کی کافر امتوں سے ان کے کفر و شرک اور ضلالت و سرکشی سے متعلق استفسار فرمائے گا کہ تم نے شرک کیوں اختیار کیا۔ اس کے جواب میں کافر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمتِ شان کی پرواہ کیے بغیر کہیں گی کہ خداوند! اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم تیرے احکام سے بالکلیہ نابلد تھے، ہمیں کفر و ایمان، خیر و شر اور ضلالت و ہدایت کے مابین نہ کوئی فرق معلوم تھا اور نہ ہمیں اس سلسلے میں کسی نے بتایا۔ ربِّ کائنات فرمائے گا کہ کیا میں نے تمھاری رشد و ہدایت کے لیے اپنے انبیاء نہیں بھیجے تھے؟ کافر امتیں میدانِ حشر میں کذب بیانی اور دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے صاف صاف یہ کہہ کر انکار کر دیں گے کہ ربِّ قدیر! ہمارے پاس تیرا کوئی نبی آیا ہی نہیں تو پھر ہم کیسے جانتے کہ کفر و شرک، شر و فساد اور ضلالت و سرکشی مذموم و مقبوح ہیں اور ہمیں اس کے قریب بھی نہیں جانا ہے۔ لہٰذا ہم سے جو بھی گناہ صادر ہوئے وہ ہماری لاعلمی کی بنیاد پر ہوئے۔ اس میں ہماری کوئی خطا نہیں اور نہ ہم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

ایسی صورت میں خداوند قدوس اپنے انبیائے کرام سے دریافت فرمائے گا کہ اے میرے نبیو! بتاؤ کیا تمھاری امتیں صحیح و درست کہہ رہی ہیں؟ کیا تم نے میرے احکام و فرامین ان تک نہیں پہنچائے؟ کیا تم نے انھیں شرک و کفر سے بچنے کی ترغیب نہیں دی تھی؟ کیا تم نے ان کے دلوں میں میرا خوف نہیں پیدا کیا تھا؟ کیا تم نے انھیں میری نافرمانیوں سے نہیں روکا تھا۔ کیا تم نے انھیں میرے قہر و غضب سے متنبہ نہیں کیا تھا، کیا تم نے انھیں جہنم اور نارِ جہنم سے محفوظ رہنے کی تلقین نہیں کی تھی؟ کیا تم نے انھیں قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے ڈرایا نہیں تھا؟ کیا تم نے انھیں حساب و کتاب کی بابت باور نہیں کرایا تھا؟

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام عرض گذار ہوں گے یا

رب العالمین ایسا ہر گز نہیں ہے، یہ ہماری امتیں بالکلیہ کذب بیانی سے کام لے رہی ہیں، ان کے قول میں ذرہ برابر بھی صداقت نہیں ہے، ان کا دعویٰ خام ہے۔ بھلا ہم میں اتنی بساط کہاں سے آسکتی ہے کہ ہم تیرے احکام سے سرِ مو منحرف ہوجائیں۔ بھلا ہم ایسی جرأت وجسارت کیسے کرسکتے ہیں کہ تیرے احکامات ان تک نہ پہنچائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے تیرے سارے فرامین وارشادات اور اوامر و نواہی سمیت جو تو نے ہمیں بتائے من وعن وہ سب ان تک پہنچائے۔ ان تبلیغی امور میں ہماری راہوں میں زہرہ گداز بہت ساری مشکلات آئیں مگر ہم نے ان کی تیری رضا وخوشنودی کی خاطر کوئی پرواہ نہ کی۔ ہمارے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہیں آئی۔ ہم نے تیری عطا کردہ تحریکِ حق وصداقت کے علم کو ایک لمحے کے لیے بھی سرنگوں ہونے نہ دیا۔ ہماری یہ امتیں بجائے اس کے تیرے احکامات پر عمل پیرا ہوتیں یہ روز بروز کفر وشرک میں مبتلا ہوتی گئیں اور اس پر مستزاد ظلم بالائے ظلم یہ کہ انھوں نے حق کی راہوں کو مسدود کرنے کی طاقت بھر ناپاک کوششوں میں لگی رہیں اور ہم پر مظالم کے پہاڑ طبیعت بھر توڑتی رہیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے جواب پر ربِّ لم یزل فرمائے گا کہ تم اپنے دعوے کی توثیق وتصدیق کے لیے گواہ پیش کرو کہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام بطور گواہ کسے پیش کریں گے، ملاحظہ فرمائیں۔

جملہ انبیاء کرام علیہم السلام بطور گواہ اپنے دعوے کی دلیل پر امت مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کریں گے امتِ مصطفیٰ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گی کہ خداوندا! یہ تیرے جلیل القدر معصوم انبیاء ہیں بے شک انھوں نے تیرے احکام کی ترسیل میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ ان کی کافر امتیں سراسر جھوٹ بول رہی ہیں۔ امتِ مصطفیٰ کی گواہی سنتے ہی کفار بھڑک اٹھیں گے اور اعتراض کریں گے کہ اس امت کی گواہی قطعی قابل قبول نہیں ہوسکتی کیوں کہ یہ امت ہمارے زمانے میں موجود ہی نہیں تھی۔ بھلا موجود ہو بھی کیسے سکتی تھی جب کہ یہ امت ہمارے ہزاروں سال بعد پیدا کی گئی۔ جب یہ نہ حاضر اور نہ ناظر تو پھر اس کی گواہی کیسے مانی جاسکتی ہے۔

کفار کے اس جرح وقدح کے نازک موقع پر غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برملا فرمائیں گے کہ یہ حق ہے کہ ہم ان کے زمانے میں حاضر نہیں تھے لیکن ہم نے اس ذاتِ کریم سے سن کر گواہی دی ہے جس نے یہ سارے واقعات مشاہدہ فرمائے ہیں وہ ذاتِ بابرکات ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اپنے غلاموں کی تصدیق وتوثیق کے لیے رسولِ گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض گذار ہوں گے یا اللہ! میری امت بالکل سچ کہہ رہی ہے واقعی میں نے انھیں بتایا تھا کہ تیرے انبیائے کرام نے مکمل امانت داری کے ساتھ تیرے سارے احکام و فرامین اپنی اپنی قوم تک پہنچائے اور ان کے مابین تادمِ حیات تبلیغ وارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ رب کائنات اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے بعد انبیائے کرام کے حق میں ڈگری عطا فرمادے گا۔

اگر ہم حشر کے دن رونما ہونے والے اس واقعے کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور غور وخوض کریں تو اس سے کئی ایک اہم امور و نکات مترشح ہوسکتے ہیں، مثلاً اس واقعے سے جہاں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی معصومیت کا پتہ چلتا ہے وہیں ان مقدس حضرات کی بے مثال اطاعت خداوندی کا بھی واضح ثبوت ملتا ہے۔ مذکورہ دونوں باتوں کی تصدیق سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتوں کے بیان سے تو ہوتی ہی ہے اور ساتھ ساتھ خود سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالیشان سے بھی۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کے لیے انتہائی ناگریز امر اور تقاضۂ ایمان ہے کہ ہمیں انبیاء کرام کی ذواتِ مقدسہ سے متعلق یہ راسخ عقیدہ رکھنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سارے انبیا کرام علیہم السلام قبل اعلان نبوت اور بعد اعلان نبوت بھی ہر قسم کے گناہ سے خواہ ان کا تعلق صغائر ہی سے کیوں نہ ہو بالکلیہ مبرہ ومنبرہ ہیں۔ ربِّ لم یزل انھیں معصوم بنا کر اس خاکدان گیتی پر مبعوث فرمایا۔ وہ لوگ بڑے شقی ہیں جو انبیا کرام کے ساتھ گناہ وخطا کی

تلویث کر کے اپنے ایمان وعقیدہ کا سودا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے اشقیا سے ہمیں تادم حیات محفوظ ومامون رکھے اور ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمتوں کو سمجھنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے نیز ہمیں خداوندِ کونین ان سعادت مند حضرات کے نقوشِ قدم پر چلائے جن کے قلوب واذہان انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمتِ شان سے بہرور تھے اور آج بھی ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وافادیت سے متعلق احادیث نبویہ کثرت سے ملتی ہیں۔ ان میں چند حدیثیں نذرِ قارئین ہیں۔

مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث یوں مرقوم ہے کہ سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خلافِ شرع بات یعنی کوئی برائی دیکھے تو چاہیے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی قوت نہ ہو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ترین ایمان ہے یعنی یہ ایمان والے کا کمزور ترین فعل ہے۔

اس حدیث سے متعلق شارحینِ حدیث کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہاتھ سے برائی کو روکنے کا تعلق حکام سے ہے، زبان سے روکنے کا تعلق علما سے ہے اور دل سے برا جاننے کا تعلق عوام الناس سے ہے۔ یا پھر اسے مطلق رکھا جائے جیسا کہ حدیث میں لفظ ''منکرا'' نکرہ اور مطلق ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص جس قسم کی طاقت کا متحمل ہو برائی کی روک تھام کے لیے اپنی اس طاقت کا استعمال کرے۔ کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''نیکی اور پرہیز گاری میں باہم تعاون کرو اور گناہ وسرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اس آیت مقدسہ میں بھی چونکہ حکم عام رکھا گیا ہے لہٰذا اس سلسلے میں تخصیص نہ کی جائے۔ بہ لفظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دارومدار روکنے والے کی قدرت وطاقت پر ہے۔ اس کی تائید دیگر ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اور ایسا نہ کرنے والے کی مذمتیں۔ ان احادیث میں نہ کسی حاکم کی تخصیص ہے اور نہ کسی عالم کی بلکہ مطلق جو کوئی مومن اپنی طاقت کے اعتبار سے برائی سے روکنے اور نیکی کا حکم دینے کا کام انجام دیتا ہے وہ ثواب کا متحمل ہوتا ہے اور اس کے برعکس کرنے والا وعید کا۔

احیاء العلوم کی دوسری جلد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث یوں مذکور ہے کہ یارِ غارِ مصطفیٰ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا مشرکین سے جنگ کے علاوہ بھی کوئی ایسا عمل ہے جسے جہاد کہا جا سکے۔ آپ نے قدرے تفصیل کے ساتھ یوں جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں! اس روئے زمین پر ایسے خوش بخت حضرات رہتے ہیں جو چلتے پھرتے رزق پاتے ہیں جو شہدا سے افضل ہیں اور رب کائنات بزمِ ملائکہ میں ان حضرات کے اعمالِ حسنہ پر اظہار فخر کرتا ہے اور ان کے لیے جنت میں خصوصی آرائشیں کی جاتی ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر عرض کیا کہ آقا! ایسے خوش نصیب حضرات کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ حضرات وہ ہیں جو دینوی زندگی میں بغیر خوفِ لومۃ لائم نیکی کا حکم دیتے رہے، برائی سے روکتے رہے اور اللہ ورسول کی خاطر محبت وعداوت کرتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سوال پر کہ ''وہ خوش نصیب حضرات کون ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں شہداءِ کرام سے بھی افضل ہیں اور ربِّ کائنات بزمِ ملائکہ میں ان حضرت کے اعمالِ حسنہ پر اظہار فخر کرتا ہے اور ان کے لیے جنت میں آرائشیں کی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ وہ خوش بخت حضرات وہ ہیں جو اپنی زندگی میں نیکی کا حکم دیتے رہے، برائی سے روکتے رہے اور اللہ ورسول کی خاطر محبت وعداوت کرتے رہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ امر بالمعروف اور ناہی عن المنکر کی کل روزِ قیامت ایسی شان ہوگی کہ وہ جنت میں شہدا کے بالاخانے سے بھی اوپر بالاخانے میں ہوں گے جس کے یاقوت وزمرد کی تین سو دروازے

* مضمون نگار جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور کے استاذ ہیں۔

ہوں گے اور ہر دروازہ نور سے معمور ہوگا۔

اسی طرح حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''احیاء العلوم'' کی دوسری جلد میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی حدیث ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول گرامی قدر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں ارشاد فرمائیں کہ بارگاہِ رب العزت میں کس شہید کی توقیر ومنزلت زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر خداوند قدوس اور اس کے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاجوئی اور تحصیل خوشنودی کی خاطر ظالم وجابر حاکم کے سامنے بے دھڑک اور بے خوف وخطر نیکی کا حکم دے اسے برائی سے روکے، اس کے ظلم واستبداد پر اپنی آواز اٹھا کر اسے متنبہ کرے اور پھر انجام کار وہ ظالم حاکم کے حکم پر قتل کر دیا جائے۔

ایسے سعادت مند انسان کے سلسلے میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے شخص کا ٹھکانہ سید الشہدا حضرت امیر حمزہ اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقدس ٹھکانوں کے درمیان ہوگا۔ اب تک یہ ساری باتیں جو بیان کی گئیں ان کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فضائل سے متعلق تھا اب آئیے آئنے کا دوسرا رخ بھی دیکھیں۔ وہ حضرات جو طاقت رکھنے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔ ان کے سلسلے میں حدیثوں میں اس قدر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کہ جنہیں پڑھنے کے بعد رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

لہٰذا اس اہم فریضے کی انجام دہی میں خود کو کوتاہی وتساہلی سے بچائیں ورنہ ایسا نہ ہو کہ خداوند قدوس کا غضب وقہر ہمارا تعاقب کرے اور اس کے عذاب کے شکار ہو کر ہم دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود سے یکسر محروم ہوجائیں اور کل قیامت کے دن ربِّ قدیر کی بارگاہ میں ہمیں ندامت وشرمساری کا منھ دیکھنا پڑے۔

□ □ □

ص ۱۷ کا بقیہ.......................................

ص ۱۷ کا بقیہ

سے پابندی، چاروں فقہی مذاہب کا احترام، خصوصاً فقہ حنفی کی پیروی، حضور ﷺ کی عظمت ومحبت کا اہتمام۔ صحابۂ کرام اور اہلِ بیت دونوں سے محبت۔ اولیاء اللہ کا احترام۔ بدعقیدگی اور گستاخی سے اجتناب۔ میلادِ مصطفیٰ ﷺ، ذکرِ رسول ﷺ اور نعت خوانی کو جائز وباعثِ ثواب سمجھنا جب شرعی حدود کے اندر ہو۔

بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کو جائز سمجھنا، جبکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے۔ اعلیٰ حضرت کا خلاصۂ عقیدہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اللہ ورسول کی محبت، صحابہ واہلِ بیت کی محبت اور ائمۂ دین کی پیروی ہی اہلِ سنت کا راستہ ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کی مشہور کتب فتاویٰ رضویہ، الدولۃ المکیۃ اور حسام الحرمین کا مطالعہ مفید ہے۔ اہلِ سنت کے عقائد کی مستند اور مختصر تعلیم کے لیے بہارِ شریعت (مصنف: صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی) اور عقائد اہل سنت جیسی کتب بھی نہایت مفید ہیں۔

□ □ □

ص ۳۷ کا بقیہ.......................................

معزز قارئین! آج ذرا تنہائی میں کچھ دیر بیٹھیں، اپنی آنکھیں بند کریں اور ان سب اثاثوں کو یاد کریں جو آپ کے پاس ہیں اور شاید آپ نے کبھی ان پر دھیان ہی نہیں دیا۔ یہ اثاثے آپ کو وہ" شکر گزار خوش حال بناتے ہیں جو آپ چاہتے ہیں، جو لاکھوں کمانے کے بعد بھی بہت سے لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ زندگی کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ ہم وہ چیزیں نہ کھو بیٹھیں جو پہلے سے ہمارے پاس ہیں۔

□ □ □

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں اپنے تأثرات ضرور لکھیں، آپ کے تأثرات ماہنامہ سنی دنیا کے صفحات کی زینت بنیں گے، اگر آپ کاروباری ہیں تو رسالہ میں اپنے اشتہار دے کر اپنے کاروبار کو ترقی بھی دے سکتے ہیں۔

اسلامیات

(از: مولانا محمد اشفاق عالم امجدی علیمی*

ماہِ صفر! حقیقت یا نحوست

زمانۂ جاہلیت کی تاریکیوں سے لے کر آج کے ترقی یافتہ دور تک، انسان کی فطرت میں وہم و گمان کی ایک ایسی کمزور ڈور ہمیشہ سے جڑی رہی ہے جو اسے حقیقت کی مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر توہمات کے دھندلکوں میں بھٹکاتی رہی۔ ماہِ صفر کے بارے میں پھیلی ہوئی بے اصل باتیں، خود ساختہ خوف اور نسل در نسل منتقل کیے گئے وہمی تصورات اسی انسانی کمزوری کی زندہ مثال ہیں۔ یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہے کہ جب عقل کی روشنی مدھم پڑ جائے اور علم کا چراغ بجھنے لگے تو بے بنیاد دھڑکے اور خود ساختہ نحوستیں انسان پر غالب آجاتی ہیں، حتیٰ کہ ایک عام سا مہینہ بھی حادثات، آفتوں اور مصیبتوں کا سرچشمہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

نحوست کے وہمی تصورات کے شکار لوگ ماہ صفر کو مصیبتوں اور آفتوں کا مہینہ سمجھتے ہیں، خاص طور پر اس کی ابتدائی تیرہ تاریخیں جنہیں "تیرہ تیزی" کہا جاتا ہے، بہت منحوس تصور کی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ صفر کے مہینے میں نیا کاروبار شروع کرنا نقصان دہ ہے، سفر کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ حادثات کا خطرہ ہے، شادیاں یا بچیوں کی رخصتی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ گھر برباد ہو سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ بڑے کاروباری معاملات سے گریز کرتے ہیں، گھر سے باہر آمد و رفت کم کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آفات نازل ہو رہی ہیں، لہٰذا اپنے گھر کے ہر برتن اور سامان کو خوب جھاڑتے ہیں۔

اسی طرح، اگر کسی کے گھر میں اس ماہ میں کوئی فوت ہو جائے تو اسے منحوس قرار دیتے ہیں، اور اگر اسی گھرانے میں لڑکے یا لڑکی کی شادی طے ہوئی ہو تو اسے منسوخ کر دیتے ہیں۔ تیرہ تیزی کے موقع پر سفید چنے یا کابلی چنے کی نیاز دینے کا بھی رواج پایا جاتا ہے۔ جہاں تک نیاز دینے کا معاملہ ہے تو فاتحہ پڑھنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے، اور ہر ماہ کی کسی بھی تاریخ پر جائز ہے؛ لیکن یہ سمجھنا کہ اگر "تیرہ تیزی" کی فاتحہ نہ پڑھی جائے یا سفید چنے تقسیم نہ کیے جائیں تو گھر کے کمانے والوں کا روزگار متاثر ہوگا بالکل بے بنیاد اور وہم و خرافات پر مبنی خیال ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا عدوی ولا طیرۃ ولا ہامۃ ولا صفر۔ چھوت لگنا، بدشگونی لینا، الو کا منحوس ہونا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔" (بخاری شریف: کتاب الطب، حدیث ۵۷۰۷)

محقق علی الاطلاق حضرت علّامہ مولانا شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"عوام اسے (یعنی صفر کے مہینے کو) بلاؤں، حادثوں اور آفتوں کے نازل ہونے کا وَقت قرار دیتے ہیں، یہ عقیدہ باطِل ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔" (اشعۃ اللمعات: جلد سوم صفحہ ۶۶۴)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ" ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں"۔ حدیث میں فرمایا کہ "صفر کوئی چیز نہیں"، یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے، اسی طرح ذیقعدہ کے مہینہ کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اور ہر ماہ میں ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو منحوس جانتے ہیں یہ بھی لغو بات ہے۔" (بہار شریعت جلد سوم حصہ ۱۶ صفحہ ۶۶۲)

* مضمون نگار جامعہ مصباح العلوم کدمتلی پوکھریا مالدہ بنگال کے استاذ ہیں۔

صفر کے متعلق زمانہ جاہلیت کا غلط نظریہ

اہل عرب حرمت کی وجہ سے چار ماہ، رجب المرجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم میں جنگ وجدل اور لوٹ مار سے باز رہتے اور انتظار کرتے کہ یہ پابندیاں ختم ہوں تو وہ نکلیں اور لوٹ مار کریں، لہٰذا صفر شروع ہوتے ہی وہ لوٹ مار، رہزنی اور جنگ وجدل کے ارادے سے جب گھروں سے نکلتے تو ان کے گھر خالی رہ جاتے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: صفر المکان (مکان خالی ہو گیا۔ جب عربوں نے دیکھا کہ اس مہینے میں لوگ قتل ہوتے ہیں اور گھر برباد یا خالی ہو جاتے ہیں تو انہوں نے اس سے یہ شگون لیا کہ یہ مہینہ ہمارے لئے منحوس ہے اور گھروں کی بربادی اور ویرانی کی اصل وجہ پر غور نہیں کیا، نہ اپنے عمل کی خرابی کا احساس کیا اور نہ ہی لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدال سے خود کو باز رکھا بلکہ اس مہینے کو ہی منحوس ٹھہرادیا۔ کسی دن کو منحوس سمجھنا یہود کا طریقہ ہے۔

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز شامی قدس سرہ لکھتے ہیں: علامہ حامد آفندی علیہ الرحمہ سے سوال کیا گیا: کیا بعض دن منحوس یا مبارک ہوتے ہیں جو سفر اور دیگر کام کی صلاحیت نہیں رکھتے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جو شخص یہ سوال کرے کہ کیا بعض دن منحوس ہوتے ہیں اس کے جواب سے اعراض کیا جائے اور اس کے فعل کو جہالت کہا جائے اور اس کی مذمت بیان کی جائے، ایسا سمجھنا یہود کا طریقہ ہے، مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔

کون سا وقت کونسا دن منحوس ہوتا ہے؟ مشہور مفسر شارح حدیث حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسلام میں کوئی دن یا کوئی ساعت منحوس نہیں ہاں بعض دن بابرکت ہیں۔ تفسیر روح البیان میں ہے: صفر وغیرہ کسی مہینے یا مخصوص وقت کو منحوس سمجھنا درست نہیں، تمام اوقات اللہ عزوجل کے بنائے ہوئے ہیں اور ان میں انسانوں کے اعمال واقع ہوتے ہیں۔ جس وقت میں بندہ مومن اللہ عزوجل کی اطاعت و بندگی میں مشغول ہو وہ وقت مبارک ہے اور جس وقت میں اللہ کریم کی نافرمانی کرے وہ وقت اس کے لئے منحوس ہے۔ درحقیقت اصل نحوست تو گناہوں میں ہے۔

ماہ صفر کا آخری بدھ منانا

ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینۂ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم ﷺ کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد "لاصفر" یعنی صفر کوئی چیز نہیں۔ ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔

(بہار شریعت جلد سوم حصہ ۱۶ صفحہ ۶۶۳)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ایسے نظریات سے بچیں، کیونکہ یہ سراسر شریعت کے خلاف ہیں۔ اسلام میں نہ کوئی مہینہ، نہ کوئی دن اور نہ کوئی ساعت نہ کوئی تاریخ منحوس ہے۔ ہر مہینہ، ہر دن اور ہر تاریخ رب تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور اس نے ان میں سے کسی کو منحوس قرار نہیں دیا۔

ص ۳۳ر کا بقیہ......................

تمام اساتذہ کو اپنی اس عظیم ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے معاشرے کو ایسے مخلص اساتذہ نصیب کرے جو ہماری نسل نو کی بہترین اور شاندار تربیت کر سکیں، آمین یارب العالمین۔

قارئین کرام
یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟
ہم آپ کے تأثرات کے منتظر ہیں

اسلامیات

از: مولانا محمد اصغر علی مصباحی*

اہلِ سنت کے عقائد و نظریات

مسلک اعلیٰ حضرت کے عقائد دراصل وہی عقائد ہیں جو قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ ﷺ، صحابۂ کرام، تابعین، ائمۂ مجتہدین اور بالخصوص امام اعظم ابو حنیفہ کے مسلک سے ثابت ہیں، اعلیٰ حضرت نے انہی عقائد کی حفاظت، توضیح اور دفاع فرمایا، اس لیے انہیں "مسلک اعلیٰ حضرت" کہا جاتا ہے۔

اہلِ سنت کے بنیادی عقائد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے۔ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ۔ تم فرماؤ: وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔" (سورۂ اخلاص)

حضور ﷺ خاتم النبیّین ہیں

حضور ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، قرآن میں ہے: وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ اور اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے آخر ہیں۔" (سورۂ احزاب)

حضور ﷺ کا علمِ غیب عطائی ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بے شمار غیوب کا علم عطا فرمایا ارشاد فرمایا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اور تمہیں وہ سب سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے۔" (سورۂ نساء) حضور ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ حقیقتاً بشر ہیں مگر عام انسانوں جیسے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نورِ ہدایت سے منور ہیں۔ قرآن: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آئی۔

(سورۂ مائدہ)

انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں

تمام انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے محفوظ ہیں۔

اولیاء اللہ کا حق ہونا: اللہ کے نیک بندے (اولیاء) حق ہیں اور ان سے کرامات ظاہر ہونا حق ہے۔ قرآن: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (سورۂ یونس)

حیاتُ النبی ﷺ

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبورِ مبارکہ میں حیاتِ حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ حدیث "الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون" انبیا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔" (روایت: بیہقی)

وسیلہ اور استمداد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت انبیا و صالحین کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے۔ قرآن وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔" (سورۂ مائدہ)

صحابۂ کرام سے محبت

تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قابلِ احترام ہیں، خصوصاً خلفائے راشدین۔

ترتیب فضیلت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اہلِ بیت سے محبت اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔ حدیث: میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: قرآن اور اپنے اہلِ بیت۔" (ترمذی)

قرآن اللہ کا کلام ہے قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام ہے۔ قیامت، حشر، میزان، پل صراط، جنت اور جہنم برحق ہیں یہ تمام امور قرآن و حدیث سے ثابت اور برحق ہیں۔ مسلکِ اعلیٰ حضرت کی نمایاں خصوصیات قرآن و سنت کی سختی بقیہ ص ۱۴۰ پر

* مضمون نگار جامعہ برکات حرم روشن پور مراداباد سے متعلق ہیں۔

از: محمد فداء المصطفیٰ قادری٭

گر کر سنبھلنا ہی اصل زندگی ہے

زندگی ایک خاموش کتاب کی مانند ہے جس کے ہر صفحے پر انسان کے لیے کوئی نہ کوئی سبق لکھا ہوا ہوتا ہے۔ کبھی یہ کتاب خوشیوں کے رنگوں سے بھر جاتی ہے، کبھی غم کی سیاہی اس کے اوراق کو دھندلا دیتی ہے، اور کبھی آزمائشوں کی گرد انسان کے چہرے پر ایسی تھکن چھوڑ جاتی ہے کہ وہ خود کو پہچاننے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ انسان جب اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اس کے دل میں بے شمار خواب، امیدیں اور تمنائیں جنم لیتی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ زندگی ایک خوبصورت راستہ ہے جہاں ہر طرف آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی، مگر وقت کے ساتھ اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ ہموار نہیں بلکہ پتھروں، کانٹوں اور ٹھوکروں سے بھرا ہوا ہے۔ انسان جتنا آگے بڑھتا ہے، اتنا ہی زیادہ اسے زندگی کی حقیقتوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ٹھوکریں بظاہر انسان کو گراتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں یہی ٹھوکریں انسان کو سنبھلنا سکھاتی ہیں۔ اگر زندگی میں مشکلات نہ ہوں، ناکامیاں نہ ہوں، اور دل ٹوٹنے کے لمحے نہ آئیں تو شاید انسان کبھی مضبوط نہ بن سکے۔ ہر ٹھوکر انسان کے اندر ایک نیا شعور پیدا کرتی ہے۔ کبھی یہ انسان کو اپنی کمزوریوں کا احساس دلاتی ہے، کبھی صبر کی طاقت سکھاتی ہے، اور کبھی اسے یہ باور کراتی ہے کہ زندگی صرف خواہشات کے پورا ہونے کا نام نہیں بلکہ آزمائشوں سے گزرنے کا بھی نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ زندگی کی سختیوں سے گزر کر آگے بڑھتے ہیں، ان کے چہروں پر ایک الگ قسم کی سنجیدگی، برداشت اور سمجھداری نظر آتی ہے۔ وہ جان لیتے ہیں کہ گرنا زندگی کا اختتام نہیں بلکہ دوبارہ اٹھنے کی ابتدا ہے۔

انسان کی زندگی کا آغاز ہی ٹھوکروں سے ہوتا ہے۔ بچہ جب پہلی بار چلنے کی کوشش کرتا ہے تو بار بار گرتا ہے۔ کبھی زمین پر منہ کے بل گرتا ہے، کبھی دیوار سے ٹکرا جاتا ہے، اور کبھی قدم لڑکھڑا جاتے ہیں، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ ہر بار دوبارہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں نہ خوف ہوتا ہے اور نہ مایوسی۔ یہی معصوم حوصلہ دراصل انسان کی اصل طاقت ہوتی ہے۔ اگر بچہ گرنے سے ڈر جاتا تو شاید کبھی چلنا نہ سیکھ پاتا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ انسان بڑا ہوتا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کے خوف بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ بچپن میں جسم پر لگنے والی چوٹ چند لمحوں میں ٹھیک ہو جاتی ہے، لیکن جوانی میں دل پر لگنے والی ٹھوکریں برسوں تک انسان کے اندر زندہ رہتی ہیں۔

جوانی انسان کی زندگی کا وہ دور ہوتا ہے جہاں خواب سب سے زیادہ ہوتے ہیں اور حقیقتیں سب سے زیادہ تلخ محسوس ہوتی ہیں۔ نوجوان اپنے مستقبل کے بارے میں بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دنیا اس کے قدموں میں ہوگی، ہر خواہش آسانی سے پوری ہو جائے گی، اور ہر راستہ اس کے لیے کھلتا چلا جائے گا۔ لیکن جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ہر چیز اتنی آسان نہیں۔ کبھی حالات اس کے خلاف ہو جاتے ہیں، کبھی لوگ اس کی امیدیں توڑ دیتے ہیں، اور کبھی قسمت اسے ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے جہاں وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر یہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں انسان کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے۔ جو لوگ ان ٹھوکروں کے باوجود ہمت نہیں ہارتے، وہی آخر کار زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ طالبِ علم کی زندگی دراصل مسلسل جد و جہد، خوابوں اور آزمائشوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ہر طالبِ علم اپنے

دل میں کامیابی کی خواہش لے کر تعلیمی سفر شروع کرتا ہے۔ ابتدا میں انسان بڑے شوق اور جذبے کے ساتھ کتابیں کھولتا ہے، منصوبے بناتا ہے، اور خود سے وعدے کرتا ہے کہ اس بار پوری محنت کرے گا۔ مگر وقت کے ساتھ سستی، غفلت اور لاپرواہی انسان کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیتی ہے۔ دن گزرتے رہتے ہیں، مہینے بیت جاتے ہیں، اور انسان خود کو یہ تسلی دیتا رہتا ہے کہ ابھی بہت وقت باقی ہے۔ پھر اچانک امتحانات قریب آجاتے ہیں اور انسان کو احساس ہوتا ہے کہ وقت اس کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل چکا ہے۔

امتحان کی راتیں طالبِ علم کی زندگی کی سب سے عجیب راتیں ہوتی ہیں۔ ہر طرف کتابیں پھیلی ہوتی ہیں، چائے اور کافی کے کپ میز پر رکھے ہوتے ہیں، اور آنکھوں میں نیند کے باوجود دل میں خوف جاگ رہا ہوتا ہے۔ انسان پوری رات جاگ کر تیاری کرتا ہے، دعائیں مانگتا ہے اور خود کو تسلی دیتا ہے کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ مگر جب امتحان ہال میں سوالات سامنے آتے ہیں تو بعض اوقات انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کسی اور ہی دنیا کے سوالات ہوں۔ اس لمحے انسان اپنی تیاری سے زیادہ اپنی قسمت پر حیران ہوتا ہے۔ لیکن یہی ناکامیاں اور یہی پریشانیاں انسان کو محنت کی اصل اہمیت سمجھاتی ہیں۔ یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جو انسان کو سکھاتے ہیں کہ کامیابی صرف خواہشات سے نہیں بلکہ مسلسل محنت، نظم وضبط اور قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔

آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ زندگی میں سب سے گہری ٹھوکریں وہ ہوتی ہیں جو انسان کو جذبات اور محبت کے میدان میں لگتی ہیں۔ محبت ایک ایسا احساس ہے جو انسان کے دل میں خاموشی سے جنم لیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی پوری دنیا پر چھا جاتا ہے۔ بعض لوگ کسی کی ایک مسکراہٹ، ایک میٹھی بات یا ایک معمولی توجہ کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں خوابوں کی ایک نئی دنیا آباد کر لیتے ہیں۔ ان کے خیالوں میں ایک حسین مستقبل بنتا رہتا ہے، اور وہ ہر لمحہ انہی امیدوں کے سہارے جیتے ہیں۔ مگر زندگی ہمیشہ انسان کے خوابوں کے مطابق نہیں چلتی۔ بعض اوقات حقیقت اتنی تلخ ہوتی ہے کہ انسان کے سارے خواب ایک لمحے میں بکھر جاتے ہیں۔

جب محبت میں انسان کو ٹھوکر لگتی ہے تو وہ صرف ایک رشتے کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے اندر موجود معصوم یقین بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ باہر سے وہ خود کو مضبوط ظاہر کرتا ہے، دوستوں کے سامنے مسکرا کر فلسفیانہ باتیں کرتا ہے، مگر اندر ہی اندر اس کا دل زخمی ہوتا ہے۔ وہ راتوں کو خاموشی سے ماضی کو یاد کرتا ہے، خود سے سوال کرتا ہے، اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ آخر غلطی کہاں ہوئی۔ لیکن یہی درد انسان کو بالغ نظری عطا کرتا ہے۔ یہی تجربات اسے یہ سکھاتے ہیں کہ محبت صرف خواب دیکھنے کا نام نہیں بلکہ حقیقت کو قبول کرنے کا حوصلہ بھی مانگتی ہے۔ انسان جب ان جذباتی ٹھوکروں سے گزر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک نئی سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ زندگی کو پہلے سے زیادہ گہرائی سے سمجھنے لگتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی کی ٹھوکریں انسان کی شکست نہیں بلکہ اس کی تربیت ہوتی ہیں۔ ہر ناکامی انسان کے اندر ایک نئی سوچ پیدا کرتی ہے۔ جب انسان بار بار غلط فیصلوں کا نقصان اٹھاتا ہے تو وہ آہستہ آہستہ سمجھدار ہوتا جاتا ہے۔ آسانیاں انسان کو آرام طلب بنا دیتی ہیں، لیکن مشکلات اس کے اندر برداشت، ہمت اور صبر پیدا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ زندگی میں بہت زیادہ آزمائشوں سے گزرتے ہیں، وہ دوسروں کے درد کو زیادہ بہتر انداز میں سمجھتے ہیں۔ ان کے اندر غرور کم اور عاجزی زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ زندگی ایک لمحے میں انسان کو زمین پر لا سکتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ انسان کو اپنی پرانی ناکامیوں پر حیرت بھی ہوتی ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ جن باتوں پر کبھی وہ شدید غمگین ہوتا تھا، بعد میں وہی باتیں اس کی زندگی کا سب سے بڑا اسبق بن جاتی ہیں۔ انسان سمجھ جاتا ہے کہ ہر دکھ عارضی ہے، ہر رات کے بعد صبح ضرور آتی ہے، اور ہر ٹھوکر کے بعد سنبھلنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ کامیاب لوگ وہ نہیں ہوتے جو کبھی نہیں

اسلامیات

گرے، بلکہ کامیاب وہ ہوتے ہیں جو ہر بار گرنے کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی لوگ زندگی کے اصل مسافر ہوتے ہیں۔

الغرض! اگر انسان اپنی زندگی پر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ اس کی شخصیت کی اصل تعمیر انہی مشکلات، ناکامیوں اور ٹھوکروں نے کی ہے جن سے وہ کبھی خوفزدہ ہوا کرتا تھا۔ زندگی کی آزمائشیں بظاہر تکلیف دہ محسوس ہوتی ہیں، مگر حقیقت میں یہی انسان کو مضبوط بناتی ہیں۔ جو لوگ ہر مشکل کے بعد ہمت ہار دیتے ہیں، وہ راستے میں ہی رک جاتے ہیں، لیکن جو لوگ ہر ٹھوکر کے بعد اپنے کپڑے جھاڑ کر دوبارہ چلنا شروع کر دیتے ہیں، منزل آخر کار انہی کے قدم چومتی ہے۔

اس لیے اگر زندگی میں بار بار ناکامی مل رہی ہو، لوگ ساتھ چھوڑ رہے ہوں، خواب ٹوٹ رہے ہوں یا قسمت ہر موڑ پر آزمائش دے رہی ہو تو مایوس ہونے کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ شاید زندگی ہمیں کچھ بڑا سکھانا چاہتی ہے۔ کیونکہ زندگی کی اصل خوبصورتی اسی میں ہے کہ انسان گرنے کے باوجود دوبارہ اٹھے، آنسوؤں کے باوجود مسکرائے، اور ہر مشکل کے بعد نئے حوصلے کے ساتھ آگے بڑھتا رہے۔ یہی حوصلہ انسان کو عظیم بناتا ہے اور یہی ٹھوکریں آخر کار اس کی کامیابی کی بنیاد بنتی ہیں۔

□ □ □

ص ۴۳ر کا بقیہ ......

عید الرؤیۃ فی دار السلام — وصال کی صبح

دنیا کی ہر عید شام میں ڈھل جاتی ہے، مگر دار السلام کی عید کبھی زوال پذیر نہیں۔ یہ وہ صبح ہے جس کے بعد کوئی شام نہیں؛ وہ دیدار جس کے بعد کوئی حجاب نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس بشارت سے درود کو ابدی افق سے جوڑ دیا گویا جو یہاں درود کی محفل سجاتا ہے، وہاں رؤیت کی عید پاتا ہے۔ یہ سیرت کا اختتام نہیں، بلکہ وصال کا آغاز ہے۔

درود یہ سیرت نگاری کا ادبی و روحانی امتیاز

اعلیٰ حضرت کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے فقہی عنوان کو روحانی استعارہ بنا دیا اور ایک ظاہری مسئلہ کو باطنی جشن میں بدل دیا۔ ان کے قلم میں "عید" محض تہوار نہیں بلکہ ایک حال ہے؛ ایک ایسی کیفیت جو جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادراک سے پیدا ہوتی ہے اور نوالِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضان سے پروان چڑھتی ہے۔ یہ درود ہمیں سکھاتا ہے کہ سیرت صرف پڑھنے کی چیز نہیں، منانے کی چیز ہے؛ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت صرف عقیدہ نہیں، عید ہے، ایسی عید جو دل میں طلوع ہو تو عمر بھر غروب نہ ہو۔

اعلیٰ حضرت کی درود یہ سیرت نگاری کا علمی، ادبی و روحانی امتیاز

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی نے سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محض تاریخی یا روایتی بیانیہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے درود و سلام کے نورانی افق میں سانس لینے والا ایک زندہ اور متحرک روحانی تجربہ بنا دیا۔ ان کی درود یہ سیرت نگاری میں عشق و معرفت، علمی استناد اور جمالیاتی اسلوب کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے "عید جمال" اور "عید نوال" جیسے استعارات کے ذریعے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن و احسان کو ایک دائمی عید میں ڈھالا اور قاری کے دل و روح کو محض مطالعہ کے بجائے وجد و فیض میں ڈبو دیا۔

اعلیٰ حضرت کا یہ اسلوب علمی گہرائی، ادبی لطافت اور روحانی کشش کا یکجا مظہر ہے۔ آپ نے سیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک ایسی دائمی جشن کی صورت دی جس میں جمال میں نور، نوال میں فیض، اور انجام میں رؤیت کی بشارت شامل ہے۔ اس نگارش میں تحقیق، عشق اور عبادت ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں، جس سے قاری نہ صرف معلومات حاصل کرتا ہے بلکہ روحانی سرور اور ایمان کی تجدید بھی پاتا ہے۔ یہی اعلیٰ حضرت کا حقیقی امتیاز اور درود یہ سیرت نگاری میں ان کا بلند مقام ہے۔

□ □ □

قارئین کرام توجہ فرمائیں
قارئین! اگر آپ میں سے کسی کو رسالہ نہیں مل پا رہا ہے تو 8755096981 پر ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

از افاضات: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

روشن ضمیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ترتیب و تسہیل: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، کراچی

روشن ضمیر ہونے کے تو یہی معنی ہیں کہ دلوں کی حالتیں جانیں، قرآنِ عظیم فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔ (۱) اے (عام) لوگو! اللہ اس لیے نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمادے۔ ہاں! اپنے رسولوں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔"

اور فرماتا ہے:

"عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (۲) اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو۔"

صرف اظہار ہی نہیں بلکہ رسولوں کو علم غیب پر مسلط فرمادیا کہ علمائے اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے کہ جو فضائل اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عنایت فرمائے گئے وہ سب باکمل وجوہ (یعنی اکمل طور پر) ان سے بدر جہا (یعنی کئی درجے) زائد حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت (یعنی عطا) ہوئے اور اہل باطن کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کچھ فضائل اور انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیٰ سیدھم وعلیہم کو ملے وہ سب حضور کے دیئے سے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہیں۔ اصحاب صحیح بخاری و مسلم نے روایت کی:

" قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِي۔ (۳) میں بانٹنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بابت فرماتا ہے:

"وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ (۴) یعنی، اور ایسا ہی ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کی ساری سلطنت دکھاتے ہیں۔"

اور لفظ "نُرِی" استمرار و تجدد (یعنی ہمیشگی اور تکرار) پر دال (یعنی دلالت کرتا) ہے جس کا یہ مطلب کہ وہ دکھانا ایک بار کے لیے نہ تھا بلکہ مُستمر (یعنی ہمیشہ ہے تو یہ صفت حضور اکرم ﷺ میں اکمل طور پر ثابت حضور کے دیئے سے اور حضور کے طفیل میں حضور کے جدا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ ابیہ وبارک وسلم کو یہ فضلیت ملی۔ اس کا انکار نہ کرے گا مگر کور باطن (یعنی کینہ رکھنے والا) أَعَاذَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ الْبَاطِلَةِ (یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں اس باطل عقیدے سے بچائے) اور لفظ كَذٰلِكَ، تشبیہ کے واسطے ہے جیسے ہر معمولی عربی داں جانتا ہے اور تشبیہ کے لیے مُشَبَّہ (یعنی جسے تشبیہ دی گئی) اور مُشَبَّہ بِہٖ (یعنی جس سے تشبیہ دی گئی) ضرور (یعنی لازم ہے)۔ مُشَبَّہ تو خود قرآن کریم میں مذکور ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

باقی رہا "مُشَبَّہ بِہٖ" وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اے حبیب لبیب (ﷺ) جیسے ہم آپ کو آسمانوں اور زمینوں کی سلطنتیں دکھا رہے ہیں یونہی آپ کے طفیل میں آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی ان کا معائنہ کرا رہے ہیں اور قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ (۵) یعنی میرا محبوب غیب پر بخیل نہیں۔"

جس میں استعداد (یعنی صلاحیت) پاتے ہیں اسے بتاتے بھی ہیں اور ظاہر کہ بخیل وہ جس کے پاس مال ہو اور صرف (یعنی خرچ) نہ کرے وہ کہ جس کے پاس مال ہی نہیں کیا بخیل کہا جائے گا؟ اور یہاں بخیل کی نفی کی گئی تو جب تک کوئی چیز صرف (یعنی

خرچ) کی نہ ہو (نفی کا) کیا مفاد (یعنی فائدہ ہوا) لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیٰ علیہ وآلہ وسلم غیب پر مطلع (یعنی خبردار ہیں اور اپنے غلاموں کو اس پر اطلاع بخشتے ہیں اور فرماتا ہے:

"نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ (۶) ہم نے تم پر یہ کتاب ہر شے کا روشن بیان کردینے کے لیے اُتاری۔"

"تِبْيَانًا" ارشاد فرمایا "بَيَانًا" نہ فرمایا کہ معلوم ہوجائے کہ اس میں بیان اشیاء اس طرح پر ہے کہ اصلاً خفا (یعنی پوشیدگی) نہیں اور حدیث میں ہے جسے امام ترمذی وغیرہ نے دس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم صبح کو نماز فجر کے لیے مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری میں دیر ہوئی۔ حَتّٰى كِدْنَا اَنْ نَتَرٰى عَيْنَ الشَّمْسِ یعنی قریب تھا کہ آفتاب طلوع کر آئے۔ اتنے میں حضور (ﷺ) تشریف فرما ہوئے اور نماز پڑھائی۔ پھر صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم جانتے ہو کیوں دیر ہوئی؟ سب نے عرض کی "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ اللہ۔ اللہ و رسول خوب جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

"فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ۔ میرا رب سب سے اچھی تجلی میں میرے پاس تشریف لایا۔"

یعنی میں ایک دوسری نماز میں مشغول تھا۔ اس نماز میں عبد (یعنی بندہ) درگاہ معبود میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں خود ہی معبود کی عبد پر تجلی ہوئی۔ "قَالَ يَا مُحَمَّدُ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى۔ اس نے فرمایا: اے محمد (ﷺ) فرشتے کس بات میں خاصمہ (یعنی تنازعہ) اور مباہات (یعنی فخر کرتے ہیں؟ "فَقُلْتُ لَا اَدْرِيْ" میں نے عرض کی میں بے تیرے بتائے کیا جانوں:

"فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ۔ (۷) تو رب العزت نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا اور اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی اور میرے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی۔"

صرف اسی پر اکتفا نہ فرمایا کہ کسی وہابی صاحب کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ کل شیٔ سے مراد ہر شے متعلق بشرایع (یعنی شریعتوں کے متعلق ہر چیز) ہے بلکہ ایک روایت میں فرمایا:

"مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ (۸) میں نے جان لیا جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔"

اور دوسری روایت میں فرمایا:

"فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (۹) اور میں نے جان لیا جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے۔"

یہ تینوں روایتیں صحیح ہیں تو تینوں لفظ ارشاد اقدس (ﷺ) سے ثابت ہیں۔ یعنی میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ مشرق سے مغرب تک ہے ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی اور روشن ہونے کے ساتھ پہچان لینا اس لیے فرمایا کہ کبھی شے معروف (یعنی معلوم) ہوتی ہے پیش نظر نہیں اور کبھی شے پیش نظر ہوتی ہے اور معروف نہیں، جیسے ہزار آدمیوں کی مجلس کو چھت پر سے دیکھو، وہ سب تمہارے پیش نظر ہوں گے مگر ان میں بہت کو پہچانتے نہ ہوں گے۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ تمام اشیائے عالم ہمارے پیش نظر بھی ہوگئیں اور ہم نے پہچان بھی لیں کہ ان میں نہ کوئی ہماری نگاہ سے باہر رہی نہ علم سے خارج وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

مسلمان دیکھیں نصوص میں بلاضرورت تاویل تخصیص باطل و نامسموع ہے (یعنی ناقابل قبول ہے) اللہ نے فرمایا ہر چیز کا روشن بیان کردینے کو یہ کتاب ہم نے تم پر اُتاری۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی تو بلاشبہ یہ رویت و معرفت (یعنی دیکھنا اور پہچانا، جمیع مکنونات قلم و مکتوبات لوح (یعنی قلم اور لوح محفوظ کے تمام سربستہ رازوں) کو شامل ہے جس میں سب مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ مِنَ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ إِلَى يَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (یعنی روز اول سے روز آخر تک جو کچھ ہوا یا ہوگا و جملہ ضمائر و خواطر (یعنی تمام پوشیدہ امور بشمول احوال دل) سب کچھ

داخل والہٰذا طبرانی ونعیم بن حماد استاذ امام بخاری وغیر ہما نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّی ھٰذِہٖ۔ بے شک اللہ نے میرے سامنے دنیا اُٹھالی ہے تو میں اسے اور اس میں جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔" (۱۰)

اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے غلاموں کو یہ مرتبہ عنایت فرمایا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: وہ مرد نہیں جو تمام دنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے۔ انہوں نے سچ فرمایا اپنے مرتبہ کا اظہار کیا۔ ان کے بعد حضرت شیخ بہاء الملۃ والدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا: میں کہتا ہوں وہ مرد نہیں جو تمام عالم کو انگوٹھے کے ناخن کی مثل نہ دیکھے۔" اور وہ جو نسب میں حضور کے صاحبزادے اور نسبت میں حضور کے ایک اعلیٰ جاہ کفش بردار (یعنی بلند رتبہ غلام) ہیں یعنی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدۂ غوثیہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

یعنی' میں نے اللہ کے تمام شہروں کو مثل رائی کے دانے کے ملاحظہ کیا۔" اور یہ دیکھنا کسی خاص وقت سے خاص نہ تھا بلکہ علی الاتصال (یعنی لگاتار) یہ ہی حکم ہے، اور فرماتے ہیں: اِنَّ بُوبُؤۃ عَیْنِی فِی اللُّوحِ الْمَحْفُوظ۔ میری آنکھ کی پتلی لوحِ محفوظ میں لگی ہے۔"

لوحِ محفوظ کیا ہے

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کُلُّ صَغِیْرٍ وَّ کَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۱۱) ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔" اور فرماتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ۔ (۱۲) ہم نے کتاب میں کوئی شے اُٹھا نہ رکھی۔" اور فرماتا ہے: لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ (۱۳) کوئی تر وخشک ایسا نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔" تو جب لوحِ محفوظ کی یہ حالت کہ اس میں تمام کائنات روز اول سے روز آخر تک محفوظ ہیں تو جس کو اس کا علم ہو، بے شک اسے ساری کائنات کا علم ہوگا۔

حواشی: ۱... سورۂ آل عمران: ۱۷۹۲... سورۃ الجن: ۲۶ ۳... صحیح البخاري کتاب العلم، الحدیث: ۱۷، ج: ۱ ،ص: ۴۷ ۴... سورۃ الانعام: ۵۵ ۷۔ سورۃ التکویر: ۲۴ ۶... سورۃ النحل: ۸۹ ۷... جامع ترمذی، کتاب التفسیر، الحدیث: ۳۲۴۶ ۸... جامع ترمذی، کتاب التفسیر الحدیث: ۳۲۴۴ ۹... جامع ترمذی، کتاب التفسیر الحدیث: ۳۲۴۵ ۱۰... مجمع الزوائد کتاب علامات النبوۃ باب ۳۳، الحدیث: ۱۴۰۶۷ ۱۱... سورۃ القمر: ۵۳ ۱۲... سورۃ الانعام: ۳۸ ۱۳... ۔
(ماخوذ از: ملفوظات، مرتبہ، مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں، مطبوعہ کراچی ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء، ص: ۸۷، تخریج بشکریہ: مجلس مدینۃ العلمیہ کراچی)

ص ۱۴ کا بقیہ ....

مستحب وافضل وقت پر بھی نہایت محققانہ کلام فرماتے ہوئے دلائل کے ساتھ واضح کیا کہ فجر کو اسفار میں پڑھنا، یعنی اندھیرے کے بعد روشنی اور اجالے کے وقت پڑھنا، سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ہے، اس پر انہوں نے متعدد دلائل قائم کیے اور بتایا کہ صبحِ صادق کے آغاز میں اتنا اجالا نہیں ہوتا جتنا کہ نبی اکرم ﷺ نے مسنون قرار دیا ہے۔

اس کے بعد غیر مقلدین اہلِ حدیث کی دلیل، یعنی "حدیثِ تغلیس" (اوّلِ وقت، اندھیرے میں فجر پڑھنے) پر تفصیلی جواب دیا۔ انہوں نے حدیثِ اسفار اور حدیثِ تغلیس میں تطبیق کی صورت پیش کی، اور ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی کہ حدیث تغلیس منسوخ ہے۔

آخر میں انہوں نے حدیثِ اسفار ہی کو قابلِ عمل اور لائقِ ترجیح قرار دیا۔ یوں اس بحث میں انھوں نے نہ صرف فقہی بصیرت کے ساتھ دلائل کو جمع کیا بلکہ سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اصل روح کو اجاگر کیا اور یہ بتایا کہ فجر کی نماز کو اندھیرے کے بجائے، اجالے اور روشنی کے وقت ادا کرنا ہی افضل ہے۔

.........جاری

اسلامیات

از: غلام مصطفےٰ رضوی *

خوشی و مسرت کا اسلامی تصور اور میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہاریں

نعمت وانعام کے عطا ہونے پر خوشی منانا یہ فطری اَمر ہے اور سرشتِ انسانی کا حصہ۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد فضلِ الٰہی ہے۔ خدائے قدیر کا حکم بھی ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا - تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اس پر چاہیے کہ خوشی کریں۔''

(۱) سرکار دوعالم ہادی کونین ﷺ کا تشریف لانا نعمت وعافیت، برکت وسعادت اور عطاونوازش کا نقطۂ عروج ہے۔ جب آفتابِ رسالت ﷺ طلوع ہوا تو کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور حق کا اُجالا پھیل گیا، اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی اور عظمت وشان کا نغمہ لبوں پر جاری ہو گیا۔ ان انعامات کے تشکر اور اظہارِ فرح و مسرت کے لیے مسلمانوں کا ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کا جشن منانا ایک ایمان افروز اور کفر سوز کام ہے۔

امام محمد شرف الدین بوصیری (م ۶۹۴ء) نے حقیقت افزا بات کہی ؎

حَتّٰی اِذَا طَلَعَتْ فِی الْاُفُقِ عَمَّ ھُدَاھَا
الْعَالَمِیْنَ وَاَحْیَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

ترجمہ: یہاں تک کہ جب افق کائنات پر وہ آفتاب طلوع ہوا تو اس کی ہدایت سارے جہانوں میں پھیل گئی اور اس نے بہت ساری قوموں کو حیات عطا کر دی۔

(۲) سرکار دوعالم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی ساعتِ سعید کو مجددِ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے ''سہانی گھڑی'' سے تعبیر کیا ہے ؎

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

سیرتِ طیبہ کا موضوع بڑا وسیع اور منفرد واچھوتا ہے، میلاد کا عنوان سیرت کا ایک مستقل اور اہم باب ہے، جس پر اب تک بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ میلاد دراصل سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و ولادت کے تذکرہ کو کہا جاتا ہے، خواہ منظوم ہو یا منثور۔ اس لیے اس کا اہتمام کوئی نیا اور باعثِ عار کام نہیں، اسلافِ کرام نے اس کا اہتمام اسلامی شان کے ساتھ کیا ہے، ہر دور میں یہ اہتمام ہوتا آیا ہے، بلکہ قرآنی اسلوب میں بھی اس کے جلوئے پیش کیے جا سکتے ہیں، جیسے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ - بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے۔"

(۳) اسی طرح انبیائے کرام سے جو عہد لیا گیا اور محبوب پاک ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت سنائی گئی، اس میں بھی کیا دل کش اسلوب ہے:

"وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ - اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا۔"

(۴) پھر یہ پہلو بھی لائق غور ہے کہ جب محبوب ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا تو کیا اس رحمت پر خوشی نہیں منائی جائے گی؟ مسرتوں کا اظہار نہیں کیا جائے گا؟... وہ کیسے ہیں جو منھ بسورتے ہیں اور انھیں یہ ایمان افروز جشن محبت وتقدیس نہیں

* مضمون نگار نوری مشن مالے گاؤں مہاراشٹرا کے رکن ہیں۔

بھاتا۔ کتاب الصیام صحیح مسلم شریف میں ارشادنبوی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے: فیہ ولدت، وفیہ انزل علیّ۔ میں اسی روز پیدا ہوااوراسی روز مجھ پروحی نازل کی گئی۔

(۵) اس یوم کی عظمت وشان کے حوالے سے خاتم المحدثین امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۶ء) تحریر فرماتے ہیں: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ پیر کے روزروزہ رکھنے میں بڑی فضیلت ہے، کیوں کہ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت اسی دن ہوئی لہٰذا ضروری ہے کہ جب یہ مہینہ آئے تو اس کی شان کے لائق اس کا احترام واہتمام ہواوراس کی تعظیم وتکریم کی جائے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے کیوں کہ آپ کی یہ عادت کریمہ تھی کہ آپ فضیلت والے اوقات کوزیادہ عبادت وخیرات فرماتے تھے۔''

(۶) علامہ حافظ عمادالدین ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء) تحریر فرماتے ہیں: تمام تعریف اللّٰہ کے لیے جس نے سید المرسلین کے ظہور سے ہر وجود کو روشن کیا اورحق مبین کی ضیا سے باطل کی ظلمتوں کو دور کیا، اورحق کے راستوں کو واضح کیا جب کہ لوگ جہل کی تنگ نائیوں سے گزررہے تھے۔

(۷) میلادمبارکہ کے سلسلے میں شرعی تقاضوں کوملحوظ رکھ کر محافلِ میلادکاانعقاد باعث اجروثواب ہے۔ ناقدین کے لیے یہ نکتہ لمحۂ فکر یہ ہے کہ سال بھر تو ذکر رسول ﷺ کی محافل منعقد ہوتی ہیں اب اگر ربیع الاوّل میں اسی محفل کا نام ''محفلِ میلاد'' رکھ دیا جاتا ہے تو وہ صرف نام کی تبدیلی سے کیوں مضطرب ومضمحل ہوجاتے ہیں؟ کیا عقلی طور پر اس کی اجازت دی جائے گی کہ خواہ مخواہ اِدھر اُدھر وقت تو ضائع کر دیا جائے، غیبت وچغلی اور اُلٹے سیدھے کاموں کی محفل آراستہ کی جائے لیکن میلادِرسول اورآمدِرسول ﷺ کی محفل سے احتراز کیا جائے! یہ توسخت محرومی کی بات ہے۔

رہی بات عہدِصحابہ میں میلاد کے اہتمام کی تو ان کا ہر ہرلمحہ ذکر رسول ﷺ سے روشن ہوتا تھا، یادِرسول ﷺ سے پُر ہوتا تھااور بعد کے ادوار میں یہ طریقہ کم ہوتا گیا توخصوصیت سے محافلِ میلاد کے انعقاد کی ضرورت محسوس کی گئی اورعوام کی فکری تربیت نیز ایمانی جِلا کا سامان کیا گیا۔۔۔اوراسلاف نے اس کو کیا ہی نہیں بلکہ اس کے انعقاد کی ترغیب وتلقین بھی کی۔ بہر کیف! ذکر رسول ﷺ کی محافل کا اہتمام ایمان کی جلا کا باعث ہے اورعامۃ المسلمین میں مسرتوں کی صبح میلاد پراہتمام یقیناً نیکی کی ترغیب ہے جس کی اِس زمانے میں زیادہ ضرورت ہے۔ اعلیٰ حضرت نے دل پذیر بات کہی ؎

جس سُہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

حوالہ جات: (۱) القرآن الکریم؛ سورۃ یونس: ۵۸/ ترجمہ کنزالایمان (۲) نفیس احمد مصباحی، مولانا، کشف بردہ، المجمع القادری مبارک پور ۲۰۰۵ء، ص ۲۱۸ (۳) القرآن الکریم؛ سورۃ آل عمران: ۱۶۴/ ترجمہ کنزالایمان (۴) القرآن الکریم؛ سورۃ آل عمران: ۸۱/ ترجمہ کنزالایمان (۵) یٰسٓ اختر مصباحی، جشن عید میلادالنبی ﷺ، رضا اکیڈمی ممبئی ۲۰۰۷ء، ص ۲۰ (۶) جلال الدین سیوطی، امام، حسن المقصد فی عمل المولد (میلادِ سیوطی)، دارالعلوم جائس رائے بریلی ۲۰۰۴ء، ص ۲۶ (۷) عمادالدین ابن کثیر، مولد رسول اللہ ﷺ (میلاد ابن کثیر)، دارالعلوم جائس رائے بریلی ۲۰۰۴ء، ص ۲۰

ص ۵۲/ کا بقیہ ....

مقرر کیا تو: جب تک سر پر سوار نہ ہوا جائے، وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا۔ (سورۂ آل عمران۔ آیت 75) یعنی معمولی رقم بھی ادا کرنے سے جی چراتے ہیں۔ (5) بلکہ تقاضا کیجئے تو بگڑیں۔ (6) ڈھیل دیجئے تو سَورہیں (یعنی چندہ کے نام پر سوتے رہتے ہیں)

ہمارے کارکنوں کی حالت

(1) ادھر ہمارے کارکنوں کو وہ چال و جال معلوم نہیں جس سے وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کردے) بندگانِ خدا کو چھل کر نہ صرف اپنے ہم مذہبوں بلکہ اپنے ہم مشربوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ (2) اس کے لئے ریاونفاق ومکروخداع (فریب ودھوکہ دہی) وبے حیائی وبے عزتی لازم ہے، وہ نہ آپ میں ہے نہ آپ کی شریعت اس کی اجازت دے، پھر کہئے کام کیوں کر چلے۔ بالجملہ اہل سنت سے امورِ ثلثہ مفقود ہیں، پھر فرمائیں صورت کیا ہو۔

(خلاصہ وترمیم: فتاویٰ رضویہ، جلد 29، ص 598-597)

(از: عربی محقق علی الشاذلی (الاستاذ الدکتور علی مقدادی)

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز پر لکھی گئیں کچھ کتابیں

کسی بھی غیرت مند کے لئے اتنے حوالے کافی ہیں

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منانے کے جواز پر امت کے علمانے صدیوں سے کتابیں لکھی ہیں، سینکڑوں علمانے سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں اور آج کا اجڈ وجاہل میلاد منانے پر اعتراض کرے تو سمجھ جائیں یہ علم سے خالی اور علما کی بارگاہ سے دھتکارہ ہوا شخص ہے، کتابوں کے نام اور لکھنے والے عالم کا سن وفات سارا لکھا ہے تاکہ عقل والے کو تسلی اور ایسے گمراہوں کو ہدایت ملے جو کہتے ہیں میلاد منانا صرف برصغیر کے سنیوں کا کام ہے، چند کتابوں کے یہ ہیں:

1-الإبریز الدّانی فی مولد سیّدنا محمّد العدنانی: الشّیخ محمّد نووی بن عمر بن عربی بن علی الجاوی (1315ھ) 2-إثبات المحسنات فی تلاوۃ مولد سیّد السّادات: محمّد فوزی بن عبد اللہ الرُّومی الشّھیر بمفتی آدرنۃ (1318ھ) 3-الاحتفال بالمولد النّبوی: الدکتور محمّد سعید رمضان البوطی .4- الاحتفال بالمولد النّبوی بین المؤیّدین والمعارضین: عبد اللہ الحسینی المکی الھاشمی .5- ارتشاف الطّرب فی مولد سیّد العجم والعرب: محمّد بن أحمد بن علی، ابن جابر الھواری (780ھ) .6- إسعاف الرّاغبین بمولد سیّد المرسلین: عبد الصّمد بن التّھامی بن المدنی جلون نزیل طنجۃ (1933م) .7- إسعاف ذوی الوفا بمولد النّبی المصطفی: محمّد بن محمّد، الغربی الخلوتی (1191ھ) .8- أشرف الأنام فی مولد مصباح الظّلام: عبد الوہّاب بن علی بن عبد الکافی، السُّبکی (771ھ) .9- اقتناص الشّوارد من موارد الموارد فی شرح مولد ابن حجر الھیتمی: محمّد بن محمّد المنصوری الشّافعی الشّھیر بالخیاط .10- أکمل الدُّر المنظم فی مولد النّبی المعظم: أبو العبّاس بن أحمد (677ھ) .11- الأنوار ومفتاح السُّرور والأفکار فی مولد النّبی المختار: أبو الحسن أحمد بن عبد اللہ البکری .12. بشائر الأخبار فی مولد المختار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: السیّد محمّد ماضی أبو العزائم .13. بغیۃ العوام فی شرح مولد سیّد الأنام: الشّیخ محمّد نووی بن عمر بن عربی بن علی الجاوی (1315ھ) .14. بغیۃ العوام فی شرح مولد سیّد الأنام علیہ الصّلاۃ والسّلام لابن الجوزی: محمّد نویر بن عمر بن عربی بن علی النّووی أبو عبد المعطی الجاوی الفقیہ (1315ھ) .15. بلوغ المأمول فی الاحتفاء والاحتفال بمولد الرّسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم: عیسی بن عبد اللہ بن مانع الحمیری .16. بلوغ القصد والمرام بقراءۃ مولد خیر الأنام: محمّد بن محمّد الحجوجی (1950م) .17. بلوغ المرام لبیان ألفاظ مولد سیّد الأنام، وھو شرح علی مولد الشّیخ أحمد بن قاسم المالکی الشّھیر بالحریری: أبو الفوز أحمد المرزوقی المالکی ابن محمّد رمضان الحسینی .18. بہجۃ السّامعین والنّاظرین بمولد سیّد الأولین والآخرین: نجم الدّین محمّد بن أحمد بن علی الغیطی (981ھ) .19. البیان النّبوی عن فضل الاحتفال بمولد النّبی: الدکتور محمود أحمد الزین .20. البیان والتّعریف فی ذکری المولد النّبوی الشّریف: محمّد بن علوی المالکی الحسنی.

21. تاریخ الاحتفال بالمولد النّبوی: حسن السندوبی .22. تألیف بہ مولد خیر الأنام: إبراہیم بن عبد القادر بن أحمد، الرِّیاحی (1266ھ) .23. تأنیس أرباب الصّفا فی مولد المصطفی: السیّد علی بن إبراہیم بن محمّد بن إسماعیل بن صلاح الأمیر الصّنعانی الأدیب الزّیدی (1236ھ) .24. التّجلّیات الحقیہ فی مولد خیر البریّۃ: محمّد بن ناصر الدّین الأداوی (1240ھ) .25. تحریر الکلام فی القیام عن ذکر مولد سیّد الأنام: أحمد بن محمّد بن محمّد بن علی بن حجر الھیتمی شہاب الدّین المکی الشّافعی (899ھ) .26. تحفۃ الأخبار فی مولد المختار: الحافظ أحمد بن حجر العسقلانی (852ھ)

.27. تحفۃ البشر علی مولد ابن حجر: الشیخ إبراہیم ابن محمّد الباجوری الشّافعی المصری (1276ھ) .28. تحفۃ العاشقین وہدیۃ المعشوقین فی شرح تحفۃ المؤمنین فی مولد النّبی الأمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: السیّد محمّد راسم بن علی رضا بن سلیمان الحنفی المولوی (1316ھ) .29. تحفہ الأسماع لمولد أحسن الخلق والطّباع: محمود حمزہ الحسینی (1305ھ) .30. تحفہ البشر علی مولد ابن حجر: إبراہیم بن محمّد بن احمد الباجوری (1277ھ) .31. تحفہ ذوی العرفان فی مولد سیّد ولد عدنان: عبدالغنی بن إسماعیل بن عبدالغنی، النابلسی (1143ھ) .32. تذکرۃ أہل الخیر فی المولد النّبوی: محمّد شاکر بن علی بن حسن, السالمی العقاد (1202ھ) .29. ترویح الفؤاد بمولد خیر العباد: عبدالسّلام بن إبراہیم بن إبراہیم، اللقّانی (1078ھ) .30. التّعریف بالمولد الشّریف: الحافظ شمس الدّین محمّد بن محمّد الجزری (833ھ) .31. تقریر البیلی علی المولد النّبوی لابن حجر: أحمد بن موسی بن أحمد, البیلی (1213ھ) .32. تقریرات علی بہجۃ السّامعین (مختصر المولد النّبوی للمدابغی): عبد الرّحمن بن محمّد، النّحراوی الأجہوری المقری (1210ھ) .33. تقییدات علی مولد المصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حاشیہ الشنّاوی علی مختصر المولد النّبوی للمدابغی): علی بن عبدالقدوس, الشنّاوی .34. تکملہ الدّر المنظم فی مولد النّبی المعظم: محمّد بن احمد بن محمد، العزفی (توفی بعد 762ھ) .35. تنویر العقول فی أحادیث مولد الرّسول: الشیخ العارف باللہ محمّد بن مصطفی بن أحمد الحسینی البرزنجی الشّافعی القادری الشّہیر بمعروف (1254ھ) .36. التنویر فی مولد السّراج المنیر، أبو الخطاب عمر بن الحسن المعروف بابن دحیۃ الکلبی (633ھ) .37. جامع الآثار فی مولد النّبی المختار: ابن ناصر الدّین الدّمشقی (842ھ) .37. الجامع المختار فی مولد المختار: محمّد ن أبی بکر عبد اللہ بن محمّد الحافظ شمس الدّین القیس الشّافعی الشّہیر بابن ناصر الدّین الدّمشقی (842ھ)

38. الجمع الزاہر المنیر فی ذکر مولد البشیر النذیر: محمّد بن نصوح الأسکداری الخلوتی من أحفاد الشیخ شعبان القسطمونی (1130ھ) .39. الجواہر السّنیّۃ فی مولد خیر البریّۃ، أو حاشیۃ الشّنوانی علی مولد المدابغی: محمّد بن علی بن منصور، الشّنوانی (1233ھ) .40. حاشیۃ علی مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لابن حجر والغیطی والہدہدی: محمّد بن عبادۃ بن بری الصّوفی المالکی المعروف بالعدوی (1193ھ) .41. حاشیۃ علی مولد النّبی للمدابغی: عبدالرّحمن بن محمّد النّحراوی المصری الشّہیر بالمقری (1210ھ) .42. حاشیہ أبی النّصر علی المولد النّبوی للمدابغی: أبی النّصر عبدالرّحمن, الشّافعی .43. حاشیہ السّجاعی علی مختصر المولد النّبوی للمدابغی من المولد النّبوی للغیطی: أحمد بن أحمد بن محمّد, السّجاعی (1197ھ) .44. حاشیہ الطّرابلسی علی المولد النّبوی للمدابغی: مصطفی بن قاسم بن عبداللہ, الطّرابلسی (ت بعد 1214ھ) .45. حاشیہ حجازی العدوی علی المولد النّبوی لابن حجر: حجازی بن عبداللطیف، العدوی (ت بعد 1211ھ) .46. حاشیہ سویدان الدّملیجی علی مولد ابن حجر: عبداللہ بن علی بن عبدالرّحمن سویدان الدّملیجی (1234ھ) .47. حاشیہ علی مولد البشیر النّذیر للدّردیر، إبراہیم بن محمّد بن احمد الباجوری (1277ھ) .48. حاشیہ محمّد الامیر الصّغیر علی مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ للدّردیر، أو التُّحفہ السّنیّۃ فی الکلام علی مولد خیر البریّۃ محمّد بن محمّد بن محمّد, الأمیر الصّغیر (ت بعد 1253ھ) .50. حاشیہ محمّد الخضری علی مولد محمّد البہائی، أو التّریاق المسلسل فی مولد النّبی المرسل: محمّد بن مصطفی بن حسن، الخضری (1287ھ)

51. حاشیہ محمّد قش الغرقی علی المولد النّبوی لابن حجر: محمّد بن یوسف بن ابراہیم, محمّد قش الزکی (1232ھ) .52. الحجج الدّامغۃ والبراہین السّاطعۃ فی جواز الاحتفال بالمولد النّبوی الشّریف: الشیخ حامد أحمد بابکر .53. حجّۃ المنذرین علی تنطع المنکرین: أحمد بن عبدالواحد بن المواز (1922م)، ردّ بہا علی من نہی عن القیام لولادۃ الرّسول علیہ السّلام .53. حسن المقصد فی عمل المولد: الحافظ جلال الدّین السّیوطی (911ھ) .54. حصول الفرج و حلول الفرح فی مولد من أنزل علیہ ألم نشرح: السیّد محمود بن عبد المحسن الحسینی القادری الأشعری الشّافعی مدنی الأصل الدّمشقی المعروف بابن الموقع (1321ھ) .55. حول الاحتفال بالمولد النّبوی الشّریف: محمّد بن السیّد علوی بن السیّد عبّاس المالکی الحسنی

(1425ھ) .56. خلاصۃ الکلام فی الاحتفال بمولد خیر الأنام: عبداللہ بن الشّیخ أبوبکر بن سالم .57. خلاصۃ الکلام فی مولد المصطفٰی علیہ الصَّلاۃ والسَّلام: رضوان العدل بیبرس .58. الخیرات الحسان، أو بستان الأزہار فی مولد المختار: محمود بن عبّاس بن سلیمان، الشّہر زوری العبدلانی (1173ھ) .59. الدُّر الثّمین فی مولد سیّد الأوّلین والآخرین: محمَّد بن حسن بن محمَّد، السّمنو دی المنیر (1199ھ) .60. الدُّر المنظم شرح الکنز المطلسم فی مولد النّبی المعظم: أبوشاکر عبداللہ شلبی .61. الدُّر المنظم فی المولد النَّبوی: محمَّد بن عثمان اللؤلؤی (867ھ) .62. الدُّر المنظم فی بیان حکم مولد النّبی الأعظم: محمَّد عبدالحق بن شاہ محمَّد بن یار (1333ھ) .63. الدُّر المنظم فی مولد النَّبی الأعظم: أبو العبَّاس أحمد ابن معد بن عیسی الاقلیشی الأندلسی (550ھ) .64. الدُّر النظیم فی مولد النَّبی الکریم: الإمام سیف الدِّین أبی جعفر عمر بن أیُّوب بن عمر الحمیری الترکمانی الدِّمشقی الحنفی المحدِّث المعروف بابن طغروبک .65. الدُّرَّۃ السَّنیَّۃ فی مولد خیر البریَّۃ: خلیل بن کیکلدی أبوسعید الدِّمشقی الشَّافعی مدرس الصَّلاحیَّۃ بالقدس (761ھ) 66. ربیع العشَّاق فی ذکر مولد صاحب البراق: عبدالرَّحمن بن أحمد الزَّیلعی الصُّومالی .67. ربیع القلوب فی مولد النَّبی المحبوب: العربی بن عبداللہ التّہامی الوزانی الحسلی الرّباطی (11920ھ) .68. ردٌّ علی إنکار القیام عند ذکر المولد النَّبوی: محمَّد بن أحمد الزموری الرافعی (1360ھ) .69. رسالۃ فی المولد النَّبوی: أحمد المحضار (1304ھ) .70. رسالۃ فی المولد النَّبوی: محمَّد الجونفوری (1083ھ) .71. رسالہ فی استحسان المولد النَّبوی: أبوبکر بن أبی القاسم بن أحمد, ابن الأہدل (1035ھ) .72. رسالہ فی السِّیرۃ ومولد النَّبی: محمَّد بن أحمد بن علی, ابن جابر الہواری (780ھ) .73. الرَّوائح الزَّکیَّۃ فی مولد خیر البریَّۃ: الشّیخ عبداللہ الحبشی الہرری .74. الزَّہر الفائق فی مولد أشرف الخلائق: أحمد بن محمَّد بن علی, السّحیمی القلعاوی (1177ھ) .75. زین الفرح بمیلاد النَّبی: محمد بن سلیمان بن سعد، الکافیجی (879ھ) .76. دُرر البحار فی مولد المختار: أحمد بن عبدالرَّحمن بن عبدالکریم, ابن مکیَّۃ (907ھ) .77. السَّانحات الأحمدیَّۃ والنَّفثات الرّوعیَّۃ فی مولد خیر البریَّۃ: محمَّد بن عبدالکبیر الکتَّانی .78. السّجع الرَّائق فی مولد الحبیب الفائق: أحمد بن محمَّد بن أحمد, ابن زید (870ھ) .79. سرور الأبرار فی مولد النَّبی المختار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عبد الفتاح بن عبدالقادر بن صالح الدِّمشقی أبو الفتح الخطیب الشَّافعی (1305ھ) .80. سمط جوہر فی المولد النَّبوی: أحمد علی (1300ھ) .81. الشَّاہد المنجی للمولد البرزنجی: نظم الشّیخ عبداللہ محمَّد صالح الخزرجی .82. شرح المولد النَّبوی: عبداللہ بن علی بن عبدالرَّحمن سویدان الدّملیجی (1234ھ) .83. شرح علی مولد النجم الغیطی: علی بن عبد القادر النبتیتی ثمَّ المصری الحنفی (1061ھ) .84. شرح قصَّۃ المولد النَّبوی، أو بلوغ المرام ببیان ألفاظ مولد سیِّد الأنام: أبو الفوز أحمد بن محمَّد بن رمضان الحسینی المرزوقی (ت بعد 1281ھ) .85. شرح مولد النَّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، أوشرح المنشلیلی علی المولد النَّبوی للمدابغی: علی بن عبدالرزَّاق المنشلیلی (1210ھ)

86. شروق الأنوار فی المولد المختار: عبدالفتاح بن محمَّد بن عبداللہ الخطیب (1293ھ) .87. ضوء الظَّلام فی مدح الأنام، أحمد العیاشی (1363ھ) .87. طل الغمامۃ فی مولد سیِّد تہامۃ الغرناطی: أحمد بن علی بن سعید الغرناطی الأندلسی الغرناطی المالکی (673ھ) .88. العذب الشّہی المورد فی تعظیم شہر المولد: محمَّد الحسن بن أحمد الخدیم .88. عرف التَّعریف بالمولد الشَّریف: محمَّد بن محمَّد بن محمَّد, ابن الجزری (833ھ) .89. العطیَّۃ المحمدیَّۃ فی قصَّۃ خیر البریَّۃ: أحمد بن أحمد النجاری الدّمیاطی الحفناوی .90. عقد الجوہر فی مولد صاحب الحوض والکوثر: جعفر بن حسن بن عبد الکریم البرزنجی (1177ھ) .91. العلم الأحمدی فی المولد المحمَّدی: شہاب الدِّین أحمد بن أحمد إسماعیل الحلوانی الحلیجی (1308ھ) .92. عنوان إحراز المزیَّۃ فی مولد النَّبی خیر البریَّۃ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أبو ہاشم محمَّد شریف النّوری .93. عنوان الشَّریف بالمولد الشَّریف: علی بن ناصر بن محمَّد, الحجازی (توفی بعد 915ھ) .94. فتح العلیم الستار المنجی علی قصہ المولد للعلَّامۃ البرزنجی (1177ھ): عبداللہ بن علی بن یوسف, الفارسی (ت بعد 1262ھ) .95. فتح اللطیف شرح نظم المولد الشَّریف، وھو شرح علی مولد البرزنجی:

مصطفی بن محمّد العفیفی الشّافعی. 96. فتح اللّٰہ حسبی وکفی فی مولد المصطفی: العلّامۃ إبراہیم بن علی بن إبرہیم الشّافعی المقدسی (887ھ) .97. فتح اللّٰہ فی مولد خیر خلق اللّٰہ: فتح اللّٰہ البنانی المغربی الشّاذلی .98. الفخر العلوی فی المولد النّبوی: محمّد بن عبد الرّحمن بن محمّد بن أبی بکر بن عثمان الحافظ شمس الدّین أبو الخیر السّخاوی المصری الشّافعی (902ھ). 99. الفرائد السّنیّۃ فی مولد خیر البریّۃ: مصطفی بن محیی الدّین بن مصطفی نجا (1350ھ). 100. فرائد المواہب اللدنیّۃ فی مولد خیر البریّۃ: مصطفی نجا الیبشرطی الشّاذلی.

101. فی ذکری المولد النّبوی الشّریف "ولسوف یعطیک ربُّک فترضی": علی بن عبد اللّٰہ الضمیری. فیض الأنوار فی ذکری مولد النّبی المختار: حسن محمّد عبد اللّٰہ شدّاد عمر باعمر. 102. قصّۃ المولد: محمّد بن عبد اللّٰہ بن عمر تلو (1282ھ). 103. قصّۃ المولد النّبوی: جعفر بن حسن بن عبد الکریم البرزنجی (1177ھ). 104. قصّۃ المولد النّبوی: عبد الرّحمن بن عبد المنعم بن أحمد الجرجاوی الخیّاط (1200ھ). 105. قصّۃ المولد النّبوی: محمّد یحیی بن محمّد المختار بن عبد اللّٰہ الولاتی الشّنقیطی (1330ھ). 106. قصّۃ المولد النّبوی الشّریف: حسن فہمی أحمد (1330ھ). 107. قصیدہ المولد النّبوی: أحمد بن محمّد بن أحمد, الدّردیر (1201ھ). 108. القول التّمام عند ذکر ولادتہ علیہ السّلام: إبراہیم بن محمّد بن إبراہیم, الحلبی (956ھ). 109. القول الجلی فی الرّد علی منکر المولد النّبوی: أبو ہاشم السیّد الشّریف. 110. القول المنجی علی مولد البرزنجی: أبو عبد اللّٰہ محمّد بن أحمد بن محمّد بن عُلیش (1299ھ) .111. کتاب: مجموع لطیف أنسی فی صیغ المولد النّبوی القدسی (نثراً ونظماً): مجموعۃ من العلماء. 112. کتاب: مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عمر بن عبد الرّحمن بن محمّد بن علی بن محمّد بن أحمد باعلوی الحضرمی. 113. الکلام السّنی المصفّی فی مولد المصطفی: عبد اللّٰہ حلمی بن محمّد بن یوسف ابن عبد المنان الرّومی الحنفی المقری المحدّث المعروف بیوسف زادہ شیخ القرّاء (1167ھ). 114. کمال الفرح والسّرور بمولد مظہر النور: أحمد بن العیّاشی (1363ھ) .115. الکنوز الوہبیّۃ علی مولد خیر البریّۃ: إبراہیم بن سویلم بن موسی الطلیاوی. 116. الکواکب الدّرّیّۃ فی مولد خیر البریّۃ: أبو بکر بن محمّد بن أبی بکر الحبیشی الأصل الحلبی المنشأ والوفاۃ تقی الدّین الشّافعی (930ھ). 117. الکوکب الأنور علی عقد الجوہر فی مولد النّبی الأزہر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: السیّد جعفر بن إسماعیل بن زین العابدین ابن محمّد البرزنجی الحسینی مفتی الشّافعیۃ بالمدینۃ المنوّرۃ (1317ھ). 118. الکوکب المنیر فی مولد البشیر النّذیر: محمّد أسعد بن محمّد أرسلان بن حسن الجرکسی (1315ھ). 119. اللآلئ الزّاہرات والفصوص الفائقات فی ذکر مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن محمّد مجدوب, الفقی (ت بعد 1012ھ). 120. اللآلی السّنیّۃ فی مشروعیّۃ مولد خیر البریّۃ: عثمان حدک الصّومالی

121. لسان الرّتبۃ الأحدیّۃ فی مولد الحضرۃ المحمدیّۃ: محمود بن مصطفی أبی الشّامات (1341ھ). 122. اللفظ الجمیل فی مولد النّبی الجلیل: محمّد بن فخر الدّین عثمان اللؤلؤی شمس الدّین أبو القاسم الدّمشقی الکتبی الحنبلی (867ھ). 123. اللفظ الرّائق فی مولد خیر الخلائق: محمّدن أبی بکر عبد اللّٰہ بن محمّد الحافظ شمس الدّین القیسی الشّافعی الشّہیر بابن ناصر الدّین الدّمشقی (842ھ). 124. اللؤلؤ النّظیم فی مولد الرّسول الکریم: جابر بن أحمد, رزق. مجموع مبارک فی المولد الشّریف: عبد الرّحمن بن علی الرّبیعی. 125. مختصر النّجم الثّاقب فی مولد الحاشر العاقب: جعفر بن حسن بن عبد الکریم البرزنجی (1177ھ). 126. مختصر شرح مولد السیّد الأہدل: إبراہیم خلیل, الزّبیدی. 127. مختصر مولد البرزنجی: مصطفی بن ہاشم, الأصیل (1279ھ). 128. مطالع الأنوار فی مولد النّبی المختار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عبد اللّٰہ بن علی بن عبد الرّحمن الدّملیجی الضّریر المصری الشّاذلی النّحوی الشّافعی المعروف بسویدان (1234ھ). 129. مظہر الکمالات فی مولد سیّد الکائنات: سلامہ الرّاضی. 130. مفاہیم یجب أن تصحّح: محمّد علوی المالکی الحسنی. 131. من مظاہر الاحتفاء بالنّبی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم دراسۃ سیرۃ وصفتہ وشمائلہ: محیی الدّین حسین یوسف الإسنوی. 132. مناسک الحج المنتقی من سیر مولد النّبی المصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن مسعود بن محمّد سعید الدّین الکازرونی

(758ه) .133. المنتخب المصفّی فی أخبار مولد المصطفی : محیی الدّین عبد القادر بن شیخ ابن عبد اللہ بن شیخ بن عبد اللہ العیدروسی أبو بکر الیمنی الحضرمی ثمّ الھندی (1038ه) .134. المنظر البھی فی مطلع مولد النّبی — وما یتبعہ من أعمال المولد وحکم القیام عن ذکر مولدہ —: الشّیخ محمّد الھجرسی .135. منظومة فی مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : إبراھیم بن السیّد علی الطّرابلسی الحنفی المعروف بالأحدب الطّرابلسی، نزیل بیروت (1308ه)

136. منظومة فی مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مصطفی بن إسماعیل شرحی الأزمیری (1228ه) .137. المنھج الأعدل بشرح مولد الأھدل، إبراھیم بن أحمد بن الأمیر العدنانی .138. المنھل العذب القریر فی مولد الھادی البشیر النذیر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : علی بن سلیمان بن أحمد بن محمّد المرداوی علاء الدّین أبو الحسن المقدسی شیخ الحنابلة بدمشق (885ه) .139. المنی والسّؤل فی مولد الرّسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : محمّد بن عمر بن عربی نووی الجاوی (1316ه) .140. الموارد الھنیّة فی مولد خیر البریّة : السّمھودی الحسنی .140. المورد الأھنی فی المولد الأسنی : عائشة بنت یوسف بن أحمد, الباعونیة (922ه) .141. المورد الرّوی فی المولد النّبوی: علی بن سلطان قاریٔ الحنفی (1014ه ؁) .142. المورد الروی فی المولد النّبوی : الخطیب الشّربینی (1014ه) .142. المورد الصّادی فی مولد الھادی: محمّد ن أبی بکر عبد اللہ بن محمّد الحافظ شمس الدّین القیس الشّافعی الشّھیر بابن ناصر الدّین الدّمشقی (842ه) .143. مورد الصّفا فی مولد المصطفی صلّی اللہ علیہ وسلّم : محمّد علی بن محمّد علان بن إبراھیم بن محمّد بن علّان بن عبد الملک بن علی بن مبارکشاہ البکری الصدّیقی المکی الشّافعی (1057ه) .144. مورد الظمآن لشرح مولد سیّد ولد عدنان، ابن قدور المغربی محمّد الیزمی الإسکندری المکنی الأبیض . وھو شرح علی مدیح شیخہ أحمد الدّردیر .144. المورد العذب المعین فی مولد سیّد الخلق أجمعین: محمّد بن عبد اللہ بن محمّد بن محمّد بن أحمد ابن أبی بکر العطّار الجزائری (707ه ؁) .145. المورد الھنی فی المولد السّنی : الإمام الکبیر أبو الفضل الحافظ عبد الرّحیم بن الحسین بن عبد الرّحمن الشّھیر بالحافظ العراقی (806ه)

146. مورد ھنی لمولد سنی : عبد الھادی بن رضوان بن محمّد الأبیاری (1305ه) . مولد إنسان الکمال : السیّد محمّد بن السیّد المختار الشنجیطی .147. مولد البشیر النّذیر السّراج المنیر: أبو الوفاء الحسنی .147. المولد: محمّد أبی الوفا الصیّادی, الحلبی. مولد الشرفان فی مدح سیّد ولد عدنان : أویس أحمد بن محمّد البراوی القادری الصّومالی .148. المولد الشّریف :محمّد سعید بن محمّد بن أحمد, السمّان (1172ه) .149. المولد العثمانی المسمّی الأسرار الربّانیّة : محمّد عثمان المیرغنی .150. المولد الفرید فی الحرف السّعید :محمّد بن علی, الأنصاری .151. مولد المصطفی العدنانی : عطیّة بن إبراھیم الشّیبانی. المولد النّبوی الشّریف : أحمد بن محمّد فتحا العلمی الفاسی المراکشی .152. المولد النّبوی : محمّد المغربی (1240ه) .153. المولد النّبوی : محمّد بن جعفر الکتّانی (1345ه) .154. المولد النّبوی : أبو محمّد عبد الرّحمن بن علی الدیبع الشّیبانی وجیہ الدّین الشّافعی (944ه) .155. المولد النّبوی : بقی بن مخلد بن یزید, الأندلسی (276ه)، (مخطوط فی المکتبة المحمودیّة) .156. المولد النّبوی : عبد الکریم بن ھوازن بن عبد الملک, القشیری (465ه) .157. المولد النّبوی : محمّد الجندی (1264ه) .158. المولد النّبوی: محمّد العایدی .159. المولد النّبوی: محمّد بن علی بن محمّد, ابن عربی (638ه) .160. المولد النّبوی : نجم الدّین محمّد بن أحمد بن علی الغیطی (981ه) .161. المولد النّبوی، الحافظ عماد الدّین إسماعیل بن عمر بن کثیر صاحب التّفسیر ، وقد طبع بتحقیق صلاح الدّین المنجد .162. المولد النّبوی، أو المولد الأکبر فی أصل وجود خیر البشر، مختصر المولد النّبوی، أحمد بن محمّد بن علی, ابن حجر الھیتمی (974ه) .163. المولد النّبوی الشّریف الشّیخ محمّد نجا مفتی بیروت سابقاً .164. المولد النّبوی الشّریف : محمّد سعید بن عبد الرّحمن بن محمّد البانی الدّمشقی (1351ه) .165. المولد النّبوی بین المانعین و المجیزین: عبد اللہ الحسنی المکی الھاشمی.

166. المولد النّبوی بین کونہ عبادة أو شعیرة إسلامیّة :

الدکتور أحمد محمّد نور سیف. 167. مولد النّبی: إبراھیم بن محمّد بن محمّد, الرّشیدی الجارم (ت بعد 1271ھ). 168. مولد النّبی: أحمد بن محمّد بن أحمد, الدردیر (1201ھ). 169. مولد النّبی: حمد اللہ بن خیر الدّین, الرومی (963ھ). 170. مولد النّبی: علاء الدّین بن مشرف, الماردینی. 171. مولد النّبی: محمّد بن أحمد بن علی, الأندلسی (1004ھ). 172. مولد النّبی: محمّد بن علی بن عبد الواحد, ابن الزّملکانی (727ھ). 173. مولد النّبی: محمّد بن عمر بن واقد الواقدی (207ھ). 174. مولد النّبی: محمّد بن قاسم بن محمّد القادری الهاشمی (1331ھ). 175. مولد النّبی: نور الدین علی, المیقاتی (1192ھ). 176. مولد النّبی، أو إظهار السّرور بمولد النّبی المسرور: محمّد بن محمّد بن محمّد, البدیری (1140ھ). 177. مولد النّبی، أو المنهل العذب الهنی فی مولد النّبی القرشی المدنی: محمّد بن عبد الکریم, السمّان الخلوتی (1189ھ). 178. مولد النّبی الأمین: نجم الدّین محمّد بن احمد بن علی الغیطی (981ھ). 179. مولد النّبی الکریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عبد الکریم بن أحمد بن علوان, الشّراباتی (1178ھ). 180. مولد النّبی المسمّی بالأسرار الربّانیّة والشّهیر بالمولد العثمانی: السیّد محمّد عثمان المیرغنی (الختم) بن السیّد محمّد أبی بکر بن السیّد عبد اللہ الملقّب بالمحجوب (1268ھ). 181. مولد النّبی أو المولد الجلیل حسن الشّکل الجمیل: عبد اللہ بن محمّد المناوی الأحمدی الشّاذلی. 182. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أبو المحاسن السیّد محمّد بن خلیل بن إبراھیم بن محمّد بن علی بن محمّد الطّرابلسی (1305ھ). 183. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أحمد بن عثمان الدیار بکری الآمدی الحنفی الشّاعر (1174ھ). 184. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أحمد بن قاسم النجّاری, الحریری. 185. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أحمد بن محمّد بن عارف شمس الدّین أبو الثّناء الزیلی الرّومی السّیواسی الحنفی الصّوفی (1006ھ)

186. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: السیّد محمّد بن حسین المدنی الشّریف العلوی الحنفی الشّهیر بالجفری (1186ھ). 187. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: السیّد محمّد بن خلیل الطرابلسی المعروف بالقاوقجی. 188. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: الشّیخ عبد الکریم الأدرنة وی الخلوتی (965ھ). 189. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: جاد اللہ بن عبد اللہ الغوراوی التکروری. 190. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: حسن بن علی بن أحمد, المدابغی (1170ھ). 191. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سلیمان بن عبد الرّحمٰن بن صالح الرومی (1151ھ). 192. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سلیمان بن عوض باشا بن محمود البروسوی الحنفی کان إماماً فی دائرة السّلطان بایزید العثمانی (توفی فی حدود سنة 780ھ). 193. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عبد القادر نجیب الدّین ابن الشّیخ عز الدّین أحمد المعروف بأشرف زاده البرسوی الحنفی المتخلص بسری شیخ زاویة القادریّة بأزنیق (1202ھ). 194. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: عبد اللہ بن محمّد الکاشغری النّقشبندی الزّاهدی نزیل قسطنطینیة (1174ھ). 195. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد, الحازروتی. 196. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن إبراھیم بن أبی بکر عبد اللہ بن مالک بن عباد التعزی نسباً والزندی بلداً أبو عبد اللہ المالکی الصّوفی الشّهیر بابن عباد (792ھ). 197. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن أحمد, الخطیب الشّربینی (977ھ). 198. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن أحمد بن سعید بن مسعود جمال الدّین أبو عبد اللہ المکی الشّهیر بابن عقیلة الملقّب بالظّاهر (1150ھ). 199. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن السیّد محمّد بن عبد اللہ الحسینی التّبریزی عفیف الدّین الشّافعی نزیل المدینة المنوّرة (855ھ)

201. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن عبد القادر بن محمّد صالح الخطیب أبو الفرح الدّمشقی الشّافعی المنعوت بهبة اللہ (1311ھ). 202. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: محمّد بن محمّد, الأزهری. 203. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ملا عرب الواعظ (938ھ). 204. مولد النّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ المعروف بمولد البرزنجی: زین العابدین جعفر بن حسن بن عبد الکریم الشّهیر بالمظلوم ابن السیّد محمّد المدنی بن عبد الرّسول البرزنجی الشّافعی. 205. مولد النّبی علیہ الصّلاة والسّلام: سلیمان جلبی (825ھ). 206. مولد

الہادی الرَّسول : أحمد الخضر , الحلبی .207. مولد سیِّد الأوَّلین و الآخرین: محمَّد بن محمَّد بن عمر بن مبارک الحضرمی بحرق (930ھ) .208. مولد محمَّد نبی العرب وشمائلہ: مصطفی بن عثمان , (ت نحو 1114ھ) .209. مولد ہنی ومجلس سنی : محمَّد البورینی (ت بعد 1326ھ) .210. النَّظم البدیع فی مولد الشَّفیع : یوسف بن إسماعیل النَّبہانی .211. نظم الدُّرر فی مدح سیِّد البشر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : محمَّد بن عبد اللہ بن محمَّد بن محمَّد بن أحمد ابن أبی بکر العطار الجزائری (707ھ) .211. نظم المولد البرزنجی: زین العابدین بن محمَّد الہادی البرزنجی .212. نظم المولد الشَّریف : حسین بن غنیم , السمَّان الأزہری .213. نظم المولد النَّبوی , محمَّد بن الفقیہ (842ھ) .214. نظم مولد الرَّسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : جعفر بن حسن بن عبد الکریم البرزنجی (1177ھ) .215. نظم مولد النَّبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ للسیِّد جعفر البرزنجی : السیِّد علی بن حسن البرزنجی المدنی الشَّافعی (توفی فی أواخر القرن الثَّانی عشر)

216. النعمۃ الکبری فی مولد سیِّد الأنام : ابن حجر الہیتمی .217. النَّفح المعنوی فی المولد النَّبوی: محمَّد التافلاتی (1191ھ) .218. النَّفحات العنبریَّۃ فی مولد سیِّد البریَّۃ : محمَّد علی بن محمَّد علان بن ابراہیم البکری الصِّدِّیقی (1057ھ) .219. النَّفحۃ العنبریَّۃ فی مولد خیر البریَّۃ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : محمَّد بن یعقوب بن محمَّد بن یعقوب بن إبراہیم الفیر وزآبادی مجد الدِّین أبو طاہر الشِّیرازی (817ھ) .220. نور الأبصار فی بیان مولد النَّبی المختار: عبد اللہ بن علی بن عبد الرَّحمن سویدان الدِّملیجی (1234ھ) .221. الہدی التَّام فی موارد المولد النَّبوی وما اعتید فیہ من القیام: محمَّد علی بن حسین بن ابراہیم المالکی (1367ھ) .222. الورد المنحول فی مولد الرَّسول : مصطفی بن کمال الدِّین بن علی , البکری (1162ھ) .223. الیمن والإسعاد بمولد خیر العباد : جعفر بن إدریس الحسنی , الکتَّانی (1323)

☐☐☐

ص ۳۱ /۶ کا بقیہ..........................

سے زیادہ نرم ونازک نہیں دیکھا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی خوشبو سے زیادہ اچھی کبھی کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۳ باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرۂ انور اس طرح چمک اٹھتا تھا کہ گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور ہم لوگ اسی کیفیت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شادمانی و مسرت کو پہچان لیتے تھے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

آپ کے رُخِ انور پر پسینہ کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکتے تھے اور اس میں مشک وعنبر سے بڑھ کر خوشبو رہتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس رضی للہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت بی بی اُم سلیم رضی للہ تعالیٰ عنہا ایک چمڑے کا بستر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بچھا دیتی تھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر دوپہر کو قیلولہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کے جسم اطہر کے پسینے کو وہ ایک شیشی میں جمع فرمالیتی تھیں پھر اس کو اپنی خوشبو میں ملالیا کرتی تھیں۔

چنانچہ حضرت انس رضی للہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد میرے بدن اور کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا پسینہ ملا ہوا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۹۲۹)

وَاللہ جو مل جائے مرے گُل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

☐☐☐

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کر کے مطلع فرمائیں تا کہ محکمۂ ڈاک میں شکایت کر کے رسالہ پہنچایا جا سکے۔ 8755096981 پر ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

معاشرے کا معمار! استاد

از: محمد توصیف رضا ضیائی

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی قوم کی ترقی کا اندازہ اس کی فلک بوس عمارتوں یا کارخانوں سے نہیں، بلکہ اس کے نظامِ تعلیم اور اساتذہ کے کردار سے لگایا جاتا ہے۔ اسلام میں علم اور استاد کا مقام اس قدر بلند ہے کہ محسنِ انسانیت، نبی کریم ﷺ نے فخر کے ساتھ ارشاد فرمایا: "مجھے معلم (سکھانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے"۔ معاشرہ صرف اینٹ اور پتھر کے مکانوں کا نام نہیں، بلکہ یہ اچھے اور باشعور انسانوں سے بنتا ہے۔ ایک استاد دراصل وہ معمار ہے جو کچی مٹی کو تراش کر ایک ایسا شاہکار بناتا ہے، جس کے مضبوط کندھوں پر آنے والی نسلوں کا مستقبل ٹکا ہوتا ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت لازمی جز

آج کے دور کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس اسکولوں اور کالجوں سے ڈگریاں تو کثرت سے مل رہی ہیں، لیکن تربیت کا پہلو کہیں دھندلا گیا ہے۔ ایک بہترین استاد کی پہچان یہ ہے کہ وہ طالب علم کے ذہن میں صرف کتابی معلومات نہیں انڈیلتا بلکہ اس کے کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ اسے امتحانات پاس کرنے کے ساتھ ساتھ سچائی، دیانتداری، بڑوں کا ادب اور معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس بھی سکھاتا ہے۔ آج کے دور میں معلومات تو موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے بھی با آسانی حاصل کی جاسکتی ہیں، لیکن انسانی ہمدردی، اخلاقیات اور زندگی کا شعور صرف ایک شفیق استاد کی صحبت ہی دے سکتی ہے۔ مقامی معاشرے اور دیہاتوں میں استاد کی اہمیت خاص طور پر ہمارے مقامی علاقوں اور دیہاتوں میں، جہاں بے شمار بچے محدود وسائل اور معاشی تنگی کے باوجود تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، ایک استاد کی ذمہ داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

جب ایک مخلص استاد کسی غریب یا پسماندہ گھرانے کے بچے کا ہاتھ تھامتا ہے اور اسے محنت کا راستہ دکھاتا ہے، تو وہ دراصل صرف ایک فرد کو نہیں، بلکہ اس کی آنے والی کئی نسلوں کو جہالت اور غربت کے اندھیرے سے نکال لیتا ہے، ایسے علاقوں میں پڑھانے والا استاد صرف ایک ملازم نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاشرے کے لیے ایک رہبر اور تاریکی میں امید کی کرن ہوتا ہے۔ ڈیجیٹل دور کے نئے چیلنجز موجودہ دور میں جب نوجوانوں کی توجہ بھٹکانے کے لیے سوشل میڈیا اور بے شمار ڈیجیٹل مصروفیات موجود ہیں، استاد کا کردار ایک نیا رخ اختیار کر چکا ہے۔

اب استاد کا کام صرف تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر لکھ دینا نہیں رہا، بلکہ بچوں کی نفسیات کو سمجھنا، ان کی ذہنی الجھنوں کو دور کرنا اور ان کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں ایک مثبت سمت میں لگانا ہے۔ ایک سچا استاد بچوں کو اسکرین کی فرضی دنیا سے نکال کر حقیقت اور عملی زندگی کی تیاری کرواتا ہے۔ حرفِ آخر کسی بھی معاشرے کی حقیقی تعمیر وترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک استاد کو اس کا جائز، باعزت اور کھویا ہوا مقام واپس نہ دیا جائے۔ ایک طالب علم کے دل میں استاد کا احترام ہی علم کے دروازے کھولتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی، اساتذہ کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اس عظیم پیشے کو محض روزگار کمانے کا ذریعہ نہ سمجھیں، بلکہ اسے ایک مقدس فریضہ اور انبیائے کرام کی وراثت سمجھ کر ادا کریں۔ کیونکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب استاد جاگتا ہے، تو قوم جاگتی ہے اور جب استاد سوجاتا ہے، تو قومیں گہری نیند میں چلی جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمارے بقیہ ص ۱۶ پر

مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک

رخ انور

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ منور جمالِ الٰہی کا آئینہ اورانوارِتجلی کا مظہر تھا۔نہایت ہی وجیہ، پر گوشت اور کسی قدر گولائی لئے ہوئے تھا۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ چاندنی رات میں دیکھا میں ایک مرتبہ چاند کی طرف دیکھتا اور ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھتا تو مجھے آپ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آتا تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ (چمک دمک میں) تلوار کی مانند تھا؟ تو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کے مثل تھا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ مَنْ رَاٰہُ بَدِیْہَۃً ھَابَہٗ وَمَنْ خَالَطَہٗ مَعْرِفَۃً اَحَبَّہٗ۔ (شمائل ترمذی، ص ۲)

جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اچانک دیکھتا وہ آپ کے رعب داب سے ڈر جاتا اور پہچاننے کے بعد آپ سے ملتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا تھا۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انسانوں سے بڑھ کر خوبرو اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔(بخاری، ج ا ص ۵۰۲ باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے چہرۂ انور کے بارے میں یہ کہا:

" فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْھَہٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ۔ یعنی میں نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو بغور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہے۔" (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۶۸ باب فضل الصدقہ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا کہ

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

عربی زبان میں بھی کسی مداح رسول نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخ انور کے حسن وجمال کا کتنا حسین منظر اور کتنی بہترین تشریح پیش کی ہے:

"نَبِیٌّ جَمَالٍ کُلُّ مَا فِیْہِ مُعْجِزٌ مِنَ الْحُسْنِ لٰکِنْ وَجْھُہُ الْاٰیَۃُ الْکُبْرٰ یُنَادِیْ بَلَالُ الْخَالِ فِیْ صَحْنِ خَدِّہٖ یُطَالِعُ مِنْ لَاءِ لَآءِ غُرَّتِہِ الْفَجْرَا۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن وجمال کے بھی نبی ہیں، یوں تو ان کی ہر ہر چیز حسن کا معجزہ ہے لیکن خاص کر ان کا چہرہ تو آیت کبریٰ (بہت ہی بڑا معجزہ) ہے۔ان کے رخسار کے صحن میں ان کے تل کا بلال ان کی روشن پیشانی کی چمک سے صبح صادق کو دیکھ کر اذان کہا کرتا تھا۔"

حضور کی مقدس بال

حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک نہ گھونگھر دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان تھے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس بال پہلے کانوں کی لو تک تھے پھر شانوں تک خوبصورت گیسو لٹکتے رہتے تھے مگر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے اپنے بالوں کو اتروا دیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے مقدس بالوں کی ان

تینوں صورتوں کو اپنے دو شعروں میں بہت ہی نفیس و لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

گوش تک سنتے تھے فریاد اب آئے تا دوش
کہ بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو
آخر حج غم اُمت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر بالوں میں تیل بھی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی کنگھی بھی کرتے تھے اور اخیر زمانہ میں بیچ سر میں مانگ بھی نکالتے تھے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس بال آخر عمر تک سیاہ رہے، سر اور داڑھی شریف میں بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے۔ (شمائل ترمذی، ص ۴-۵)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جب اپنے مقدس بال اتروائے تو وہ صحابہ کرام میں بطور تبرک تقسیم ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہایت ہی عقیدت کے ساتھ اس موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اس کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ حضرت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان مقدس بالوں کو ایک شیشی میں رکھ لیا تھا، جب کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا کوئی مرض ہوتا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس شیشی کو پانی میں ڈبو کر دیتی تھیں اور اس پانی سے شفا حاصل ہوتی تھی۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۷۵ باب ما یذکر فی الشیب)

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا
لکۂ ابر رأفت پہ لاکھوں سلام

قد مبارک

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ بہت زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ درمیانی قد والے تھے اور آپ کا مقدس بدن انتہائی خوب صورت تھا جب چلتے تھے تو کچھ خمیدہ ہو کر چلتے تھے۔ (شمائل ترمذی، ص ۱)

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ طویل القامت تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ بلندی سے اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ کا مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ (شمائل ترمذی، صفحہ ۱)

اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہے کہ آپ میانہ قد تھے لیکن یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معجزانہ شان ہے کہ میانہ قد ہونے کے باوجود اگر آپ ہزاروں انسانوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو آپ کا سر مبارک سب سے زیادہ اونچا نظر آتا تھا۔

قدِّ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِّ ممدود رافت پہ لاکھوں سلام
طائرانِ قُدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام

سر اقدس

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ضخم الراس۔ یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر مبارک ''بڑا'' تھا جو شاندار اور وجیہ ہونے کا نشان ہے۔ (شمائل ترمذی)

جس کے آگے سرِ سروراں خم رہیں
اُس سرِ تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

سرکار مکھی، مچھر، جوئیں سے محفوظ

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے اور علامہ حجازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے کہ بدن تو بدن، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑوں پر بھی کبھی مکھی نہیں بیٹھی، نہ کپڑوں میں کبھی جوئیں پڑیں، نہ کبھی کھٹمل یا مچھر نے آپ کو کاٹا، اس مضمون کو ابو الربیع سلیمان بن سبع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''شفاء الصدور فی اعلام نبوۃ الرسول'' میں بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور تھے۔ پھر مکھیوں کی آمد، جوؤں کا پیدا ہونا چونکہ گندگی بدبو وغیرہ کی وجہ سے ہوا کرتا ہے اور آپ چونکہ ہر قسم کی گندگیوں سے پاک اور آپ کا جسم اطہر خوشبودار تھا، اس لئے آپ ان چیزوں سے محفوظ رہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس مضمون کو ''اعظم

المواردُ" میں مفصل لکھا ہے۔ (زرقانی، ج ۵، ص ۲۴۹)

مہر نبوت

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر مہر نبوت تھی، یہ بظاہر سرخی مائل اُبھرا ہوا گوشت تھا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی للہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت کو دیکھا جو کبوتر کے انڈے کی مقدار میں سرخ اُبھرا ہوا ایک غدود تھا۔ (شمائل ترمذی، ص ۳)

لیکن ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مہر نبوت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی اور اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی کہا: للّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ بوَجْہٍ حَیْثُ کُنْتَ فَاِنَّکَ مَنْصُوْرٌ۔ یعنی ایک للہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں (اے رسول!) آپ جہاں بھی رہیں گے آپ کی مدد کی جائے گی اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "کَانَ نُوْرًا یَتَلَاْلَاُ۔ یعنی مہر نبوت ایک چمکتا ہوا نور تھا۔ راویوں نے اس کی ظاہری شکل وصورت اور مقدار کو کبوتر کے انڈے سے تشبیہ دی ہے۔ (حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۵)

جسم انور بے سایہ

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدمبارک کا سایہ نہ تھا۔ حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب "نوادر الاصول" میں حضرت ذکوان تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ امام ابن سبع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور آپ نور تھے، اس لئے جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے جس میں آپ کی اس دعا کا ذکر ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی کہ خداوندا! تو میرے تمام اعضا کو نور بنا دے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا کو اس قول پر ختم فرمایا کہ "وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا۔ یعنی یا اللہ! تو مجھ کو سراپا نور بنا دے۔"

ظاہر ہے کہ جب آپ سراپا نور تھے تو پھر آپ کا سایہ کہاں سے پڑتا؟ اسی طرح عبدللہ بن مبارک اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حضرت عبدللہ بن عباس رضی للہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

(زرقانی ج ۵ ص ۲۴۹)

تُو ہے سایہ نور کا ہر عُضْو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

چنانچہ امام جلالُ الدّین سُیوطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیّدُ نا ذَکْوان رضی اللہ عنہ کی روایت نَقْل فرماتے ہیں کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم لَمْ یَکُنْ یُرِیٰ لَہٗ ظِلٌّ فِیْ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ۔ یعنی سُورج اور چاند کی روشنی میں سرکارِ مدینہ ﷺ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ (الخصائص الکبریٰ، ج1، ص116)

نیز سایہ نہ ہونے کے متعلّق نقل فرماتے ہیں کہ: قَالَ ابنُ سبع: مِنْ خَصَائِصِہٖ اَنَّ ظِلَّہٗ کَانَ لَا یَقَعُ عَلَی الْاَرْضِ وَاَنَّہٗ کَانَ نُوْراً فَکَانَ اِذَا مَشٰی فِی الشَمْسِ اَوِ الْقَمَرِ لَا یُنْظَرُ لَہٗ ظِلٌّ۔ یعنی ابنِ سبع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نُور ہیں، آپ علیہ السلام جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو سایہ دِکھائی نہ دیتا تھا۔ (الخصائص الکبری، ج1، ص116)

وہی نورِ حق وہی ظِلِّ ربّ ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی مِلک میں آسماں، کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

جسم اطہر

حضرت ابو ہریرہ رضی للہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا رنگ گورا سپید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کا مقدس بدن چاندی سے ڈھال کر بنایا گیا ہے۔ (شمائل ترمذی، ص ۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک نہایت نرم و نازک تھا۔ میں نے دیباو حریر (ریشمی کپڑوں) کو بھی آپ کے بدن بقیہ ص ۳۳ پر

٭ مترجم جامعۃ الرضا بریلی شریف کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث ہیں۔

از: ذوالفقار احمد فریدی*

گیارہ قیمتی اثاثے

ہم اکثر اپنی زندگی کی شکایات میں گم رہتے ہیں۔ کاش میرے پاس بھی گاڑی ہوتی... کاش ایک بڑا گھر ہوتا... کاش میں بھی امیر ہوتا" لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا کہ شاید ہم پہلے سے ہی "امیر" ہیں ہو سکتا ہے، ہمارے پاس ایسی دولتیں موجود ہوں، جو کسی بینک میں نہیں ملتیں، نہ بازار میں خریدی جا سکتی ہیں... بلکہ وہ تو ہماری زندگی میں پہلے سے موجود ہیں، بس ہم نے ان کی پہچان کرنا چھوڑ دی ہے۔ آج میں آپ کو ایسے گیارہ اثاثوں کے بارے میں بتاؤں گا جو اگر آپ کے پاس ہیں، تو یقین جانیے، آپ کسی بادشاہ یا رئیسِ زمانہ سے کم نہیں۔

1 **زندگی:** سب سے بڑی نعمت اگر آپ یہ تحریر پڑھ رہے ہیں، تو اس کا مطلب ہے آپ زندہ ہیں، سانس لے رہے ہیں۔ کیا کوئی دولت اس سے بڑی ہو سکتی ہے؟ جس دن یہ سانسیں تھم جائیں، اس دن سب خواب، سب منصوبے، سب خواہشیں ختم۔ تو کیوں نہ ہم ہر صبح آنکھ کھلنے پر خدا کا شکر ادا کریں۔

2 **والدین بے بدل سرمایہ:** اگر ماں باپ حیات ہیں تو آپ کے پاس وہ خزانہ ہے جو نہ دوبارہ ملتا ہے، نہ خریدا جا سکتا ہے۔ ماں کی دعا اور باپ کا سایہ، یہ ایسی دولت ہے جو آپ کو زندگی کی ٹھوکروں سے بچاتی ہے۔

3 **صحت و توانائی:** کروڑوں کی کمائی بھی اُس وقت بیکار ہو جاتی ہے جب انسان بیمار ہو۔ جسمانی صحت اور ذہنی توانائی، یہی تو وہ طاقت ہے جس سے ہم خوابوں کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔

4 **رشتے دار اور دوست:** کبھی مشکل وقت میں کسی نے آپ کا ہاتھ تھاما؟ کوئی دوست خاموشی سے ساتھ بیٹھ گیا؟ بس وہی آپ کا اثاثہ ہیں۔ ان کا ہونا دل کو سکون دیتا ہے۔

5 **علم:** وہ دولت جو بانٹنے سے بڑھتی ہے، اگر آپ کے پاس علم ہے تو آپ کے پاس وہ کنجی ہے جو ہر دروازہ کھول سکتی ہے۔ یہ نہ ختم ہوتا ہے، نہ چرایا جا سکتا ہے۔

6 **عقل:** آپ نے وہ قول تو پڑھا/سنا ہی ہوگا ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت ہے عقل علم کی رہنما ہے علم بغیر عقل کے ویسے ہی ہے جیسے تیز گاڑی بغیر بریک کے۔ عقل وہ روشنی ہے جو ہمیں ہر موڑ پر درست فیصلہ لینے میں مدد دیتی ہے۔

7 **اعتماد:** لوگوں کا بھروسہ کسی کا دل جیت لینا، کسی کو یہ یقین دلا دینا کہ "یہ شخص کبھی دھوکہ نہیں دے گا"، یہ ایک نایاب اور انمول اثاثہ ہے۔ یہی بھروسہ ہمیں مواقع دلاتا ہے، رشتے جوڑتا ہے اور عزت بخشتا ہے۔

8 **اپنا گھر سکون کی پناہ گاہ:** چاہے کچی جھونپڑی ہو یا ایک کمرے کا مکان، اپنے گھر کا جو سکون ہے، وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں نہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم اپنے ہوتے ہیں۔

9 **محنت اور صلاحیت:** یہ وہ دولت ہے جو نہ صرف ہماری زندگی بدلتی ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی روشنی کا ذریعہ بنتی ہے۔ محنت کرنے والے کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتے۔

10 **صبر:** سب کچھ سہنے کی طاقت: صبر وہ لباس ہے جو غریبی کو بھی باوقار اور خوددار بنا دیتا ہے۔ یہ انسان کو اندر سے مضبوط کرتا ہے اور ٹوٹنے سے بچا لیتا ہے۔

11 **شکر گزاری:** نعمتوں کو کھینچنے والی کشش! شکر گزاری ایک ایسی طاقت ہے جو کسی کمی کو بھی نعمت بنا دیتی ہے اور دولت کو خزانے میں تبدیل کر دیتی ہے جو شخص ہر حال میں "الحمدللہ" کہتا ہے، اس کے لیے زندگی ہمیشہ کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہے، لہٰذا شکر گزاری ضرور سیکھنا چاہئے اور اس کی روز کی مشق سے عادت بنا لینی چاہئے۔

بقیہ ص ۱۴/ پر

* مضمون نگار بدھرا، پوٹھیا کشن گنج بہار کے متوطن ہیں۔

پہلی قسط

از: مفتی سید فیضان رضا حسنی*

علمائے اہل سنت رامپور کی علمی اور دینی خدمات

مصطفےٰ آباد عرف رامپور کا اپنے دورِ آغاز سے یہ نشانِ امتیاز رہا کہ حجاز ِمقدس کے علما وعوام کی طرح یہاں کے علما وعوام کی اکثریت کا مسلک بھی سو فیصد ''اہل سنت و جماعت'' رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے معتقدات و معمولات کے خلاف اگر کبھی کسی کے زبان و قلم میں کج رَوی پیدا ہوئی تو علمائے حق اہل سنت نے مصلحت اندیشی اور مُداہنت (چاپلوسی) کے تمام نفع بخش (حقیر و ذلیل) نتائج کو بالائے طاق رکھ کر اپنے زبان و قلم سے پُرزور احتجاج کیا، اور شرعی احکام صادر کئے۔ اسی طرح جب جب شانِ الوہیت کو ہدف بنایا گیا یا ناموسِ رسالت پر حملہ ہوا تو یہ علما ہمیشہ سربکف نظر آئے اور باطل کا اُڑایا ہوا سارا غبار حق پرستی کے بادلوں سے دھوڈالا۔

علما کی اِس روشِ حق پرستی اور دینِ محمدی کے خلاف کسی بھی غلط تعبیر اور باطل نظریہ کو قبول نہ کرنے والے اُن کے اِس اٹوٹ مزاج کے نتیجہ میں ایک گروہ اہل سنت کی اس اکثریت سے کٹ کر علیحدہ کھڑا ہو گیا اور ایسا کیوں ہوا اس کا جواب تاریخی شواہد سے ملتا ہے کہ جس وقت انگریزوں نے ملک عزیز ہندوستان پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت ''سنی حنفی'' ہے، حتی کہ جو مسلم حکمران تھے وہ بھی صوفی المشرب اور حنفی المسلک تھے۔ لہٰذا رامپور و بریلی کے علما ہوں، خواہ مرادآباد و بدایوں کے، دہلی اور لکھنؤ کے ہوں خواہ بہار، بنگال، اُڑیسہ، مہاراشٹر، کرناٹک اور کیرلا کے ہوں یا دیگر بلادِ ہند کے۔ وہ سب کے سب تادمِ زیست مذہب اہل سنت و جماعت کے پیروکار اور حامی و ناصر رہے اور ہیں۔

زمانۂ رسالت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے بعد تقریباً گیارہ سو سال تک تمام مسلمانانِ عالم کا ایک ہی عقیدہ تھا جس کو اہل سنت کہا جاتا ہے اور یہ وہی عقیدہ ہے جو ائمہ اربعہ (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کو تابعین سے ملا اور تابعین کو صحابہ کرام سے ملا تھا اور اُن کے تمام متبعین کا آج بھی یہی عقیدہ ہے۔ لیکن گیارہویں صدی ہجری میں سرزمین نجد پر ایک شخص ''محمد بن عبد الوہاب'' نامی پیدا ہوا، جس نے اس گیارہ سو سالہ دینی تسلسل اور قرآن وسنت اور سلفِ صالحین (صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیائے کاملین) کے برخلاف باطل تعبیر وفہم والا ایسا ''دین'' تیار کیا، جس میں اصولِ عقائد کی وہ حیثیت ختم کر دی گئی جو امت کو صحابہ سے منتقل ہوئی تھی۔

اس کے بعد بارہویں صدی ہجری کے آخر میں ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی'' کے گھرانے میں ''محمد بن اسماعیل'' پیدا ہوتا ہے، جو اس ''نجدی وہابی فکر'' سے اس قدر متأثر ہوا کہ اس فکر کی ترجمانی میں ''تقویۃ الایمان'' نامی ایک کتاب لکھی جو تیرہویں صدی کی چوتھی دَہائی کے اواخر میں منظر عام پر آئی۔ جس میں مسلّمہ ایمانی عقائد کو طرح طرح کی بے جا دلیلوں اور تاویلوں سے شرک بتانے اور امت مسلمہ کو مشرک ٹھہرانے کی ظالمانہ کارروائی کی گئی اور نجد کے بعد سب سے پہلے اسی شخص ''اسماعیل دہلوی'' نے ''نجدی وہابی فرقہ'' کو ہندوستان میں داخل کیا۔

جس طرح اولاً ابن عبد الوہاب نجدی نے ایک طرف تو امام احمد بن حنبل کی تقلید کا دعویٰ کیا اور خود کو حنبلی ظاہر کیا اور دوسری طرف ائمہ مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک کہا اور براہِ راست قرآن وسنت کی پیروی کی دعوت دی۔

اسی طرح نظریاتِ ابن عبد الوہاب کے مترجم اوّل ''اسماعیل دہلوی'' نے بھی ایک طرف خود کو حنفی اور امام ابوحنیفہ کا مقلد ظاہر کیا اور دوسری طرف پسِ پردہ اماموں کی تقلید کو بدعت و گمراہی

* مضمون نگار ضلع رامپور قاضی شرع اور الجامعۃ الاسلامیہ قدیم گنج کے ناظم اعلیٰ ہیں۔

اسلاف و اخلاف

قرار دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نئی مذہبی تفریق سے پہلی مرتبہ ہندوستان کے بعض مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک ’’مقلد حنفی — جو بعد میں ’’دیوبندی‘‘ کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرا: غیر مقلد فرقہ، جس نے اپنے کو کبھی ’’محمدی‘‘ کہا، کبھی ’’اہل حدیث‘‘ کبھی ’’سلفی‘‘ یا ’’اَثری‘‘ حسبِ زمانہ و ماحول اپنے کئی نام بدلے۔

اہل سنت و جماعت میں یہ دونوں گروہ ’’وہابی‘‘ کے نام سے ہی معروف ہیں اور امتیاز کے لیے اول کو ’’دیوبندی‘‘ اور ثانی کو ’’غیر مقلد‘‘ کہا جاتا ہے، اِن دونوں گروہوں کے اندر اعمال اور فروع میں اگر چہ اختلاف ہے مگر بنیادی عقائد میں دونوں متفق و متحد ہیں۔ حالانکہ غیر مقلدین اب دیوبندیوں کو بھی بڑی شدّت کے ساتھ مشرک قرار دیتے ہیں۔ جس کے وہ دو سبب بتاتے ہیں: ایک تقلید امام ابو حنیفہ۔ دوسرے: اتباعِ تصوف و طریقت اور کیوں کہ دیوبندی بھی اپنے علما و اکابر اور وَفات یافتہ بزرگوں سے توسل و استعانت کے قائل و عامل ہیں اور اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں علم غیب، اختیار و تصرف وغیرہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کی اُن کتابوں میں لکھا ہوا ہے جو کتابیں طبقۂ دیوبند نے خاص اپنے بزرگوں کے حالات و سوانح میں لکھی ہیں، جیسا کہ اہل سنت کے معروف عالم دین علامہ ارشد القادری نے اپنی کتاب ’’زلزلہ‘‘ اور ’’زیر و زبر‘‘ میں اس حقیقت کو مکمل ثبوت اور تفصیلی شواہد کے ساتھ لکھ دیا ہے اور غیر مقلدوں نے اپنی کتاب ’’الدیوبندیۃ‘‘ میں ان تفصیلات کو درج کر کے اُن پر بَرملا مشرک ہونے کا حکم لگایا ہے۔

لہٰذا تفریقِ مذہب و ملت کے اس خوں چکاں حادثہ کے بعد علمائے اہلِ سنت نے متحدہ طور پر وہابی فکر کی سرکوبی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ خصوصاً برصغیر میں رامپور اور بریلی کے علمانے اس فکر کے ردّ و ابطال میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ پوری علمی و فکری جدوجہد اور ردّ و ابطال کا محاذ صرف اس حقیقت کی حفاظت کے لیے برپا ہوا کہ ہندوستان کے وہ علاقے خصوصاً رامپور و بریلی، مراد آباد، بدایوں اور لکھنؤ جن کے صحیح العقیدہ مسلمانوں ہنوز گمراہ نہیں ہوئے انہیں جادۂ حق سے منحرف ہونے سے بچالیا جائے اور جو منحرف ہو چکے انہیں یہ باور کرایا جا سکے کہ اہل سنت و جماعت ہی مسلک حق ہے اور اس مسلک کے خلاف ہر نئی فکر کا دلیل و احتجاج کے ساتھ ردّ کیا جائے۔

وہ علما جنہوں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیا

(۱) حضرت مولانا مفتی شاہ احمد سعید نقشبندی رامپوری

مجدد الف ثانی کے علمی، روحانی، فکری اور نسبی وارث تھے، مجاہد آزادیٔ ہند تھے۔ یکم ربیع الاوّل ۱۲۱۷ھ/ ۱۳؍ جولائی ۱۸۰۲ء کو رام پور میں پیدا ہوئے اور ۲؍ ربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ/ ۱۸؍ ستمبر ۱۸۶۰ء کو [بہ عمر ۵۹ برس] مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ جوارِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دفن ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جن علما نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا، ان میں اس فتویٰ کے محرکِ اوّل آپ ہی تھے، عبدالحی ندوی لکھتے ہیں:

"وَحَصَلَتْ لَهُ الْإِجَازَةُ مِنَ الشَّيْخِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَذْكُورِ الصِّحَاحِ السِّتِّ وَالْحِصْنِ الْحَصِينِ وَدَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ وَالْقَوْلِ الْجَمِيلِ وَغَيْرِهَا۔ یعنی: آپ کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے صحاحِ ستہ، حصن حصین، دلائل الخیرات، القول الجمیل وغیرہا کی اجازت و سند حاصل تھی۔"

آپ نے درجن بھر کے قریب کتابیں تصنیف کیں، فتاویٰ تحریر فرمائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دستر خوانِ علم کے خوشہ چیں تھے۔ دیگر علما کے علاوہ علامہ فضل حق چشتی خیر آبادی و علامہ فضل رسول بدایونی سے بھی اکتسابِ علم کیا، رسول گرامی ﷺ کے میلاد سے متعلق تین کتابیں لکھیں:

(۱) سعید البیان فی مولد سید الانس والجان [اردو مطبوعہ] (۲) الذکر الشریف فی اثبات المولد المنیف [فارسی] (۳) اثبات المولد والقیام [عربی مطبوعہ]۔ (مکتبہ ایشیق استنبول ترکی و مکتبہ سراجیہ موسیٰ زئی نے [۱۹۷۹ء میں] عربی میں مع مقدمہ از محمد اقبال مجددی شائع کیا؛ مؤخر الذکر نے قلمی نسخے کا عکس چھاپا، (مرکزی مجلس رضا لاہور نے ۱۹۸۰ء اپریل و اکتوبر میں اردو ترجمہ کے دو ایڈیشن شائع کیے)

آخر الذکر کتاب "اثبات المولد والقیام" شاہ احمد سعید صاحب نے مولوی محبوب علی جعفری وہابی کا رد کرتے ہوئے "میلاد و قیام" کے ثبوت میں لکھی تھی، فرماتے ہیں:

میلاد مصطفیٰ ﷺ کے دلائل پوچھنے والے اے عالمو! یاد رکھو! میلاد شریف کی محفل میں آپ کے کمالِ شان پر دلالت کرنے والی آیات، صحیح احادیثِ ولادت باسعادت، معراج شریف، معجزات اور وفات کے واقعات کا بیان کرنا ہمیشہ سے بزرگانِ دین کا طریقہ رہا ہے۔ . . اگر تم مسلمان ہو اور محبوبِ رب العالمین سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سننے کا شوق رکھتے ہو تو ہمارے پاس آؤ اور] ہم سے احوالِ مصطفیٰ [سنو تمہیں پتا چلے کہ ہمارا دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے، محفلِ میلاد دراصل وعظ و نصیحت ہے اس کے لیے جو کان لگائے اور متوجہ ہو، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: نصیحت کرو بے شک نصیحت مومنین کے لیے مفید ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذکر سے روکے وہ شیطانی لشکر سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نفرت ہے کیوں کہ مومنِ صادق تو ذکرِ محبوب کا مشتاق ہوتا ہے اور ذکرِ محبوب سے لذت پاتا ہے۔

(۲) حضرت مفتی محمد ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمہ (۱۳۱۰ھ)

تیرہویں صدی ہجری کے بزرگ ترین عالم دین، مفسر و محدث کامل تھے۔ مولانا شاہ محمد مظہر نقشبندی مجددی مدنی فرزند مولانا شاہ احمد سعید مجددی فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا ارشاد حسین، حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی کے اکابر اصحاب اور اجلّہ خلفا میں کامیاب ہستی ہیں۔"

خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت علامہ حافظ محمد عبد السمیع رامپوری سہارن پوری، صاحبِ انوارِ ساطعہ نے آپ (مفتی ارشاد حسین) کو "تاج المحدثین، العارف المحدث، المفتی الفقیہ، جامع الشریعۃ والطریقۃ، مجمع البحرین" وغیرہ القابات سے یاد کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" میں آپ (مفتی ارشاد حسین) کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

"من کبار علماء الھند، الفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری۔"

حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی بانی "مدرسۃ الحدیث" پیلی بھیت نے آپ کو اپنی کتاب "التعلیق المجلی" میں ان القاب و آداب کے ساتھ یاد فرمایا ہے:

"قطب الارشاد، المحدث النبیہ، الفقیہ الوجیہ، سندنا العلامۃ، مستندنا الفھامۃ، سیدنا مولانا الشیخ ارشاد حسین الرامفوری۔"

اور ایک مقام پر "عماد الارشاد و أرشد الأفاضل" جیسے القابات سے یاد کیا ہے۔ سید سلیمان ندوی، دار المصنّفین، اعظم گڑھ لکھتے ہیں:

"علامہ شبلی (نعمانی) کو حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب کی وسعتِ نظر، اصابتِ رائے اور مجتہدانہ ژرف نگاہی کا اعتراف ہمیشہ رہا اور اکثر برسبیل تذکرہ ان کے کمال فہم و ادراک اور تفقہ کے واقعات بیان فرماتے۔" (حیاتِ شبلی، ص 95)

تصنیف: انتصار الحق

حضرت مفتی ارشاد حسین رامپوری وہی ہیں جنہوں نے وہابی غیر مقلدین (اہل حدیث) کا ردّ اپنی مشہور زمانہ تصنیف لطیف "انتصار الحق فی إکساد أباطیل معیار الحق" کے ذریعہ کیا تھا اور جس کے معقول جواب میں آج تک کوئی غیر مقلد قلم اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکا، پوری دنیائے وہابیت ہنوز مبہوت و حیرت زدہ ہے۔

کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ نواب قطب الدین خاں دہلوی متوفی: ۱۲۸۹ھ نے ایک کتاب لکھی "تنویر الحق" اس کے جواب میں غیر مقلدین (اہل حدیث) کے مجتہد مطلق اور امام و پیشوا میاں جی نذیر حسین دہلوی (متوفی: ۱۳۲۰ھ) نے "معیار الحق" لکھی، پھر میاں جی کی اس کتاب (معیار الحق) کے جواب میں مفتی ارشاد حسین فاروقی مجددی رامپوری علیہ الرحمہ نے "انتصار الحق" لکھی۔

انتصار الحق کا بابِ اوّل

مفتی ارشاد حسین رامپوری نے اپنی کتاب انتصار الحق کے

بابِ اوّل میں امامِ اعظم ابوحنیفہ کے مناقب کو نہایت پُرشکوہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جس میں امامِ اعظم کی تابعیت کو دلائل وشواہد کے ساتھ ثابت کرتے ہوئے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام میں سے بعض کی زیارت بھی کی اور ان سے روایت بھی فرمائی۔

اس بحث میں مفتی صاحب نے آثار و دلائل کو اس انداز میں پیش کیا کہ امام اَبوحنیفہ کی تابعیت کے اثبات میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ ان کی استدلالی قوت اور علمی گرفت نے میاں جی نذیر حسین کی ساری ''حدیث دانی'' کو گویا آئینہ کے سامنے لاکھڑا کیا ہے، جہاں اُن کی حدیث دانی کی کمزوریاں خود بخود ظاہر ہوگئیں۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ مفتی ارشاد حسین رامپوری نے انتصار الحق میں امامِ اعظم کے مناقب کو نہ صرف علمی استحکام کے ساتھ پیش کیا بلکہ ادبی حسن کے جامہ میں ایسا آراستہ کیا کہ محبین کے دل مزید مطمئن ہوگئے اور مخالفین کے لئے کوئی جائے فرار نہ بچی۔

انتصار الحق کا بابِ دوم

کتاب کے بابِ دوم میں تقلیدِ ائمہ اربعہ کے وجوب کو نہایت محققانہ اور عالمانہ انداز میں ثابت فرمایا ہے۔ انہوں نے دلائل کے ساتھ واضح کیا کہ ائمہ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں سے کسی ایک امام کی تقلید واجب ہے اور ان مذاہب کے علاوہ کسی اور طریق پر عمل ناجائز ہے۔ اس باب میں انہوں نے نہایت باریک بینی سے یہ تحقیق بھی فرمائی کہ کون سی تقلید واجب ہے اور کون سی حرام اور غیر مقلدین کی جانب سے ڈالے گئے اِس شبہ کو بھی دور کیا کہ تقلید شرک ہے، انہوں نے مدلل انداز میں بتایا کہ تقلید شرک نہیں بلکہ شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے۔

مزید برآں، انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ مقلدین کا اپنے امام کے خلاف ظاہرِ حدیث پر عمل نہ کرنے کی شرعی وجوہات موجود ہیں اور یہ ترکِ حدیث یا مخالفت حدیث نہیں بلکہ اصولی اور اجماعی بنیادوں پر قائم ایک دینی طرزِ عمل ہے۔ اس کے بعد امامِ معین کی تقلید کے دلائل پیش کیے اور منعِ تقلید کے بارے میں علما وائمہ کے کلام کے حقیقی معانی کو واضح فرمایا ہے۔

پھر تقلید شخصی کے وجوب پر مزید دلائل قائم کیے اور بتایا کہ تقلید غیر معین (جیسا کہ غیر مقلدین اہل حدیث اپنے مولویوں اور عالموں کی کرتے ہیں) باعثِ گمراہی ہے اور طریقۂ مومنین کے خلاف ہے۔ آخر میں مسئلۂ تلفیق کی بھی وضاحت فرمائی اور اس کے اصولی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ یوں بابِ دوم میں مفتی ارشاد حسین رامپوری نے تقلید کے مسئلے کو نہ صرف علمی دلائل کے ساتھ مستحکم کیا بلکہ فقہی بصیرت اور عالمانہ وقار کے ساتھ اس طرح مرتب فرمایا کہ قاری کے سامنے تقلید ائمہ اربعہ کی حقیقت ایک مضبوط علمی و فقہی اصول کے طور پر جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

انتصار الحق کا بابِ سوم

کتاب کے بابِ سوم میں ''فقہِ حنفی'' پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا نہایت علمی اور تشفی بخش جواب پیش فرمایا ہے ''حدیثِ قُلَّتَین'' آپ نے مثال کے طور پر ''حدیثِ قُلَّتَین'' کی اسنادی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے واضح کیا کہ یہ روایت ضعیف اور مضطرب ہے، بلکہ اجماعِ صحابہ کے بھی خلاف ہے۔ مزید یہ کہ اس کے قابلِ عمل نہ ہونے کی وجوہات کو نہایت محققانہ انداز میں بیان کیا۔

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے یہ مسئلہ واضح فرمایا کہ پانی کس حالت میں نجس شمار ہوتا ہے۔ یعنی نجاست کے اثرات اور مقدار کے اعتبار سے فقہائے احناف نے جو اصول مرتب کیے ہیں، ان کو مدلل اور آسان پیرائے میں پیش کیا، اس طرح انہوں نے نہ صرف اعتراضات کا ازالہ کیا بلکہ فقہِ حنفی کے اصولی موقف کو دلائل کے ساتھ مضبوطی سے قائم کیا اور یہ بحث اس بات کی روشن دلیل ہے کہ فقہِ حنفی محض قیاس یا رائے پر مبنی نہیں بلکہ قرآن، سنت، اجماعِ صحابہ اور اصولِ فقہ کی بنیاد پر مرتب ہے اور اس کے ہر مسئلے کی پشت پر گہری علمی بصیرت اور شرعی حکمت کارفرما ہے۔

فجر کی نماز کا مستحب و افضل وقت

اسی بابِ سوم میں آپ نے فجر کی نماز کے بقیہ ص ۴۳ پر

از: دلاور خان*

جمال و نوال کی عید

امام احمد رضا کی درودیہ سیرت نگاری کا روحانی امتیاز

حمد اُس ربِّ کریم کے لیے جس نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو جمال کا آفتاب اور نوال کا بحر بیکراں بنایا اور درود و سلام اُس ہستی پر جن کی ذات ہر لمحہ عید، ہر ادا بہار اور ہر التفات فیضان ہے، درودیہ سیرت نگاری دراصل اسی وجدانی شعور کا نام ہے جس میں سیرت کا ہر ورق صلوٰۃ و سلام کی خوشبو سے مہک اٹھتا ہے اور ہر لفظ ذکر کی تسبیح کا دانہ بن جاتا ہے۔

اس روحانی اسلوب کی کامل تجلی ہمیں امام احمد رضا خان بریلوی کی تحریروں میں دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے ہاں "جمال" محض ظاہری حسن کا عنوان نہیں بلکہ تجلیِ حق کا آئینہ ہے اور "نوال" صرف عطا و بخشش کا بیان نہیں بلکہ ربانی رحمت کا فیضان ہے۔ جب آپ فرماتے ہیں "فَوَجْهُهُ عِيدٌ، وَيَدُهُ عِيدٌ" تو یہ الفاظ کسی شعری مبالغے کے نہیں بلکہ ایک عارف کے مکاشفے کے آئینہ دار ہیں، وہ چہرۂ انور جو دیدۂ دل کو نور بخشتا ہے، عید ہے؛ وہ دستِ کرم جو محروموں کو غنی اور گم گشتگان کو رہنما بناتا ہے، عید ہے۔ یہی روحانی ذوق آپ کے رسالہ "وشاح الجید فی تحلیل معانقة العید" میں موجزن ہے۔

یہاں "معانقۂ عید" ایک فقہی مسئلہ ہونے سے پہلے ایک باطنی اشارہ ہے: دو عیدوں کا بغل گیر ہونا دراصل جمال و جود کی ہم آغوشی ہے۔ گویا حضور ﷺ کی ذات وہ مرکز ہے جہاں حسن اور احسان جدا نہیں رہتے؛ جہاں نظر پڑتی ہے وہاں نور اور جہاں دست بڑھتا ہے وہاں کرم۔

اعلیٰ حضرت کی درودیہ سیرت نگاری کا روحانی امتیاز یہ ہے کہ وہ سیرت کو صرف بیان نہیں کرتے، بلکہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں؛ وہ واقعات نہیں گنواتے بلکہ ان کی معنوی لہروں میں دل کو غوطہ زن کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک آل و اصحاب "ایامِ ایمان کی دو عیدیں" اس لیے ہیں کہ ایمان کی مسرت انہی کے ذریعہ باقی ہے۔ جس طرح عید بندۂ مومن کے لیے شکر و سرور کا دن ہے، اسی طرح اہلِ بیت اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ایمان کی روح اور عقیدت کی جان ہے۔

مزید یہ کہ جب وہ شہادتین کے قلادہ کو "وشاحِ یقین" کہتے ہیں تو گویا ایمان کو زیور اور سیرت کو اس زیور کی آب و تاب بنا دیتے ہیں۔ دن اور رات کا تعانق، عیدین کا توارد، اور زمانے کی گردش سب اس نورانی حقیقت کی طرف اشارہ ہیں کہ حضور ﷺ کی نسبت ہی اصل عید ہے۔ جب تک لیل و نہار ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے رہیں گے، درود و سلام کی یہ عید بھی جاری رہے گی؛ اور جب "عید الرؤیۃ فی دار السلام" کا وقت آئے گا تو یہی محبت دائمی مسرت کا سرمایہ بنے گی۔

یوں اعلیٰ حضرت کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے درود کو محض کلمات نہیں رہنے دیا بلکہ اسے سیرت کا سانس بنا دیا؛ انہوں نے لفظوں کو وجد، جملوں کو ذکر، اور تحقیق کو عشق میں ڈھال دیا۔ ان کی درودیہ سیرت نگاری میں جمال بھی عبادت ہے اور نوال بھی، ذکر بھی عید ہے اور فکر بھی! اور یہی وہ روحانی امتیاز ہے جو ان کے اسلوب کو دیگر سیرت نگاروں سے منفرد اور تابندہ بناتا ہے۔

درود شریف:

"وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَأَكْمَلُ السَّلَامِ عَلَى مَنْ تَعَانَقَ عِيدُ جَمَالِهِ بِعِيدِ نَوَالِهِ، فَوَجْهُهُ عِيدٌ، وَيَدُهُ عِيدٌ، يَسْعَدُ بِهِمَا كُلُّ سَعِيدٍ، وَعَلَى حِزْبَيِ الْآلِ وَالْأَصْحَابِ الَّذِينَ هُمَا الْعِيدَانِ لِأَيَّامِ الْإِيمَانِ، وَعَلَى كُلِّ مَنْ عَانَقَ جِيدَهُ وِشَاحُ الشَّهَادَتَيْنِ بِجُمَّانِ الْإِيقَانِ، مَا تَعَانَقَ الْمَلَوَانِ، وَ تَوَارَدَ الْعِيدَانِ، هَنَّأَهُمُ اللّٰهُ بِأَعْيَادِ الْإِسْلَامِ، وَعِيدِ

* مضمون نگار السیرۃ ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ انسٹیٹیوٹ کراچی سے متعلق ہیں۔

الرُّؤْيَةِ فِي دَارِ السَّلَامِ، لَدَيْهِ مَزِيدٌ، وَإِنَّهُ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ۔

ترجمہ: اور سب سے افضل درود اور کامل ترین سلام اُس ذات پر ہو جن کے جمال کی عید اُن کے جود و نوال کی عید سے ہم آغوش ہے؛ پس اُن کا چہرۂ انور عید ہے اور اُن کا دستِ کرم بھی عید ہے، ہر سعادت مندا نہی دونوں سے فیروز بخت ہے اور درود ہو آل و اصحاب کی دونوں جماعتوں پر، جو ایامِ ایمان کی دو عیدیں ہیں اور ہر اُس شخص پر بھی جس کی گردن شہادتین کے وِشاح سے، جو گوہرِ یقین سے مرصع ہے، آراستہ ہے۔ یہ درود و سلام اُس وقت تک رہیں جب تک دن اور رات ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے رہیں اور دونوں عیدیں یکے بعد دیگرے آتی رہیں۔ اللہ انہیں عید ہائے اسلام کی مبارک باد دے اور دار السلام میں دیدار کی عید نصیب فرمائے؛ اس کے پاس اور بھی (نعمتوں کا) اضافہ ہے اور بے شک وہی ابتدا کرنے والا اور دوبارہ لوٹانے والا ہے۔"

یہ درودِ مبارک، جو امام احمد رضا خان بریلوی کے رسالہ "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" سے ماخوذ ہے، محض الفاظ کا تسلسل نہیں بلکہ ایک نورانی منظر نامہ ہے، ایک ایسی روحانی تصویر جس میں سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کو "عید" کے استعارے میں ڈھال کر دائمی مسرت کا پیکر بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے استعارات کی مزید ادبی و روحانی تعبیر پیش ہے:

عیدِ جمال — تجلی کا طلوع

"عیدِ جمال" دراصل اُس لمحۂ انکشاف کا نام ہے جب دل پر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی کرن پڑتی ہے اور باطن کی شب، صبحِ عید میں بدل جاتی ہے۔ عید اعلانِ مسرت ہے اور جمالِ حبیب ﷺ اعلانِ رحمت۔

یہاں چہرۂ انور کو عید کہنا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ دیدارِ محبوب خود جشن ہے، جیسے چاند نظر آئے تو عید ہو جاتی ہے، ویسے ہی جب دل میں حضور ﷺ کی محبت کا ہلال طلوع ہو تو روح عید منانے لگتی ہے۔

عیدِ نوال — کرم کی بارش

"نوال" بخشش کی وہ بارش ہے جو امتیاز کے بغیر برستی ہے۔ دستِ مصطفیٰ ﷺ کو عید کہنا دراصل اس عطا کی ہمہ گیری کا بیان ہے جو فقیر کو غنی، گم گشتہ کو راہ یافتہ اور محروم کو فیروز بخت بنا دیتی ہے۔ یہاں کرم وقتی نہیں، مسلسل ہے؛ جیسے عید کے دن دروازے کھلے ہوتے ہیں، ویسے ہی درِ مصطفیٰ ﷺ ہمیشہ وا ہے۔ جو جھک جائے، وہ اٹھایا جاتا ہے؛ جو مانگ لے، وہ نوازا جاتا ہے۔

معانقۂ ملوان — دوامِ محبت

دن اور رات کا باہم بغل گیر ہونا محض فلکی نظام نہیں بلکہ ایک روحانی اشارہ ہے: محبت رسول ﷺ کی گردش بھی ایسی ہی دائمی ہے۔ لیل و نہار کی آمد و شد میں اگر زندگی کا تسلسل ہے تو درود کی آمد و رفت میں ایمان کا تسلسل ہے۔ جب تک سانس کا آنا جانا جاری ہے، تب تک صلوٰۃ و سلام کی عید بھی جاری ہے۔ گویا مؤمن کا ہر دن جمعہ اور ہر لمحہ عید ہے، اگر اس کے لبوں پر درود ہو۔

توارُدِ عیدان — تزکیہ و قربانی کا سنگم

دو عیدوں کا پے در پے آنا صرف تقویمی ترتیب نہیں بلکہ تربیتی رمز ہے۔ ایک عید نفس کی ریاضت کے بعد ملتی ہے، دوسری قربانی کے بعد! جمالِ مصطفیٰ ﷺ دل کو پاکیزگی کی طرف بلاتا ہے اور نوالِ مصطفیٰ ﷺ ایثار و وفا کا درس دیتا ہے، یوں درود یہ سیرت نگاری میں شریعت اور محبت، تزکیہ اور وفا، جمال اور جلال ایک ہی نور میں جمع ہو جاتے ہیں۔

وشاحِ شہادتین — ایمان کا زیور

شہادتین کو گردن کا وشاح کہنا محض لفظی حسن نہیں بلکہ ایمان کی جمالیاتی تصویر ہے۔ جیسے دلہن عید کے دن زیور سے آراستہ ہوتی ہے، ویسے ہی مومن کا وجود کلمۂ طیبہ سے آراستہ ہو کر نورانی ہو جاتا ہے۔ یقین کے "جمان" گویا وہ موتی ہیں جو اس قلادہ کو وقار بخشتے ہیں۔ ایمان اگر اقرار ہے تو یقین اس کی چمک؛ اور درود اس چمک کی جلا۔

بقیہ ص ۲۰ / پر

رضــویــات

از: مولانا محمد زاہد علی مرکزی *

امام احمد رضا کی نادر و بے مثال شاعری

کل قصیدہ معراجیہ پڑھ رہا تھا تو یہ شعر پڑھ کر سرکار اعلیٰ حضرت کی ذات پر مزید حیرانی بڑھ گئی، ویسے تو ہر شعر ہی لاجواب ہے لیکن جس شعر کی تعبیر نے حیران کر دیا وہ شعر یہ تھا۔

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

تھوڑی بہت شاعری سے شغف درس نظامی والوں کو ہوتا ہی ہے، اس لیے ہمیں بھی تھوڑا شغف رہا ہے اور کافی شعرا کو پڑھا بھی ہے لیکن جہاں تک میری نظر گئی وہاں تک ایسی تعبیرات آج تک نہ دیکھیں، یہ فکر رضا کا ہی خاصہ ہے اور ان کے تخیل کی معراج ہی اسے کہا جا سکتا ہے، ذلك فضل الله يوتيه من يشاء۔ چوں کہ ہم شاعر نہیں اور زیادہ کچھ جانتے بھی نہیں ہاں اشعار خواں ہیں، یہ کہہ سکتے ہیں فنی علم نہیں، لیکن جنھوں نے زیادہ پڑھا ہے اور شاعری کو فنی طور پر سمجھا ہے وہ بس اعلیٰ حضرت کے اس ایک شعر کا مقابل شعر پیش کریں تا کہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔

گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف
لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

اس شعر میں جو "ل" کے ساتھ قد نبی کریم علیہ السلام کی تشبیہ اور گیسوؤں کے ساتھ " آ" (الف) کی تشبیہ اور پھر اس لام الف کے مجموعے سے پیکر نور کا تعین، پھر اسی لام الف کے اردو معنی قریب لانے کے اور عربی میں "نہیں" کی تیغ براں مراد لے کر مصائب و آلام کو ذبح کرنے کی جو پیاری، نادر، محیر العقول اور عجیب منظر کشی فرمائی ہے، اس کا جواب کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا، یہ چیز تو سرکار اعلیٰ حضرت ارضاہ عنا کا ہی خاصہ ہے پھر بھی دعویٰ ہے تو ثبوت پیش کیا جائے۔ ع

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

آسان زبان میں اس کی تشریح یوں ہے کہ ہمارے نبی مکرم علیہ السلام کے در اقدس سے مانگنے والے تو خالی جاتے ہی نہیں، بل کہ بے مانگے بھی پاتے ہیں اور خوب پاتے ہیں، اب دیکھیے مذکورہ شعر میں نبی کریم علیہ السلام کا قد انور اور زلف عنبریں قیام کی حالت میں عربی کا "لا" بنتا ہے جس کا معنی ہوتا ہے "نہیں" سائل آتا ہے تو وہ دہن اقدس سے تو لفظ "نہیں" سنتا ہی نہیں، لیکن آپ کا سراپا ضرور لا یعنی "نہیں" کی تصویر بنا ہوا ہے، پہلے دہن اقدس سے نہیں کے متعلق یہ اشعار پڑھیے پھر سراپا جو کہ "لا" بنتا ہے، اس پر بات کرتے ہیں۔ سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مانگیں گے مانگے جائیں گے منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ "نا" ہے نہ حاجت اگر کی ہے

ہم بھکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں
اور "نا" کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

فرزدق کہتا ہے

ماقال لاقط إلافي التشهد
لولا التشهد كانت لاءه نعم

ایک فارسی شاعر کہتا ہے

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر در اشہد ان لا الہ الا اللہ

یہ تو ہوئی سائل کی بات جب وہ مانگے، رہا آپ کا سراپا جو نہیں کا معنی دے رہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو سنیے! سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ کا قد آور گیسو مل کر لا یعنی

* مضمون نگار تحریک علمائے بندیل کھنڈ کے چیئرمین ہیں۔

"نہیں" بنتے ہیں، آپ کے قد میں جو" لا" کی صورت بن رہی ہے وہ"نہیں" کی تلوار ہے اور یہ اس لیے ہے کہ جو مصائب امتیوں پر آئیں گے وہ اسی لا کی تلوار سے ذبح کر دیئے جائیں گے اور امتیوں کو مصائب و آلام سے بچا لیا جائے گا، نتیجہ آلام ختم تو باقی رہنے والی صرف خوشیاں ہیں اور مومنین کو دائمی خوشیاں ملنے والی ہیں اور اسی قد انور کی مرہون منت ہیں ۔ چلیے اب مذکورہ شعر کی بات کرتے ہیں۔

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں

یہ ایک مصرع ہے لیکن اس میں غور کریں تو دماغ گھوم جاتا ہے، شدت پیاس کی وجہ سے زبان سوکھ جاتی ہے، اردو میں اسے یوں بولا جاتا ہے" زبان سوکھ کر کانٹا ہو گئی" کیوں کہ جب بدن کو پانی نہیں ملتا تو بدن میں خشکی زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس کا اثر زبان پر بھی ہوتا ہے، اس وقت زبان کانٹے جیسی کھڑی ہو جاتی ہے اور حلق، تالو میں زبان کی چبھن کانٹے سے کم محسوس نہیں ہوتی، اسی کو" سوکھ کر کانٹا" ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن زبان سوکھ کس کی رہی ہے ذرا اس پر غور فرمائیں، جو ساری دنیا میں تری کا سبب ہے اسی کی زبان، یعنی پانی کی زبان کو سوکھا کہا جا رہا ہے اور پانی کی زبان کیا ہے؟ موجیں، یعنی پانی اپنی شدت پیاس کے باعث اپنی زبان یعنی موجوں کو دکھا کر پانی مانگ رہا ہے، جب کوئی شدید پیاسا ہو تو پانی مانگنے کے لئے پیاس کی شدت کو دکھانے کے لیے زبان ہی نکالتا ہے کیوں کہ شدت پیاس کے باعث اس سے بولا نہیں جاتا۔

اب پیاس کی دو صورتیں ہوئیں، پہلی یہ کہ پیاس اتنی سخت لگی ہو کہ بولا بھی نہ جا سکے اور زبان دکھا کر اشارتاً پانی مانگے، دوسری یہ کہ ابھی پیاس تو لگی ہے لیکن اتنی سخت نہیں کہ بول نہ سکے، یعنی پیاسا خود بھی پانی مانگ سکتا ہے، پہلی صورت میں صرف زبان دکھاتا ہے کیوں کہ بول نہیں سکتا، مذکورہ مصرع میں پہلی صورت پیش کی گئی ہے کہ پانی کو اس قدر شدید پیاس لگی ہے کہ وہ بول تک نہیں سکتا اس لیے اپنی زبان یعنی موجوں کو دکھا کر پانی مانگ رہا ہے......... ایسی تعبیر بھلا کہیں دیکھی ہے؟ اسی لیے ہم کہتے ہیں ع

میر و غالب بھی کسی کام کے ہیں؟

میرے امام کا جواب نہیں ہے، واقعی میرے رضا کا یہی حال ہے کہ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

یعنی آپ فرما رہے ہیں کہ یہ پانی کی موجیں جو اوپر اٹھتی ہوئی آتی ہیں، یہ ایسے ہی نہیں آ رہی ہیں، بل کہ پانی کی طرف سے فریاد لے کر آ رہی ہیں تا کہ پانی کی پیاس کی شدت کو دکھا کر پانی مانگ سکیں۔ جب بندہ پیاسا ہوتا ہے تو پریشانی کی حالت میں تڑپتا، بلکتا بھی ہے، کبھی اِس پہلو ہوتا ہے کبھی اُس پہلو، لیکن اسے قرار کسی پہلو نصیب نہیں ہوتا، جب تک کہ اس کی پریشانی دور نہ ہو جائے، اعلیٰ حضرت ارضاہ عنا نے کیسی پیاری تشبیہ کی مثال پیش کی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جو یہ موجیں لہراتی بلکھاتی ہوئی آ رہی ہیں یہ پانی کی شدت پیاس کی بنا پر اس کی تڑپ ہے، جیسے کسی پہلو قرار نہیں ہے، ہر وقت فریاد لیے چلی آ رہی ہیں کہ کسی طرح پانی پائیں اور اپنی تشنگی بجھائیں... اب مصرع یوں مکمل ہوتا ہے کہ

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں

اس شاعری پہ کون نہ مر جائے اے خدا..... اب دوسرے مصرع کی جانب چلتے ہیں ملاحظہ فرمائیں ع

بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

آپ سبھی" بھنور" کے متعلق جانتے ہوں گے اور دیکھا بھی ہوگا، ندیوں میں بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں یہ بھنور ہوتے ہیں اور ان کی حد کوئی نہیں جانتا، اس میں جو چیز پڑ گئی اس کا بچنا مشکل ہے، بڑی بڑی کشتیاں اس بھنور کی نذر ہو جاتی ہیں، یہ گولائی میں ایک دائرہ ہوتا ہے اور اپنے قریب سے گزرنے والی ہر چیز کو اپنی جانب تیزی سے کھینچتا ہے جس کے باعث وہاں ایک حلقہ یعنی گڑھا سا بن جاتا ہے، بہت سارا پانی اسی میں جاتا ہے، اس میں پھنسنے کے بعد اگر کوئی کشتی نکل جائے تو معجزہ ہی

کہا جائے گا۔

بات شاعری کی چل رہی ہے تو بھنور پر یہ مشہور شعر بھی پڑھتے چلیے۔

طوفان کر رہا تھا مرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے

چوں کہ بھنور بھی ندی یا پانی کا حصہ ہوتا ہے، اس لیے سرکار اعلیٰ حضرت نے پانی کی شدت پیاس کے ساتھ اسے بھی شامل فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ندیوں میں جو بھنور ہوتے ہیں وہ بھنور نہیں بل کہ وہ پانی کی حالت ناگفتہ بہ ہوتی ہے، پیاس کی شدت کے باعث اس کو اس قدر کمزوری لاحق ہوگئی ہے کہ اس کی آنکھیں اندر گھس گئی ہیں جیسے کسی کمزور شخص کی آنکھیں بیماری اور کمزوری کے باعث اندر دھنس جاتی ہیں اور آنکھوں میں گڑھے یعنی حلقے پڑ جاتے ہیں، ویسے ہی یہ بھنور پانی کی آنکھ ہے اور پانی کی آنکھوں میں ضعف و تشنگی کے باعث حلقے پڑ گئے ہیں، جسے ہم بھنور سے تعبیر کرتے ہیں، اعلیٰ حضرت ارضاہ عنا اس مصرع میں فرما رہے ہیں کہ دنیا والے بھلے ہی اسے بھنور سمجھ رہے ہوں لیکن اصل بات یہ ہے کہ پانی کو پانی نہ ملنے کی بنا پر اس قدر ضعف و کمزوری آئی ہے کہ اس کی آنکھوں میں یہ بڑے بڑے حلقے ندیوں میں جگہ جگہ پڑے ہوئے ہیں.... اب ایک بار پھر پورا شعر پڑھیے اور دماغ گھما دینے والی تشبیہ کو ذہن میں رکھیے۔

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے

یہ دونوں اشعار اور ان کی تشریحات پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت کا مقام فن شاعری میں کس قدر اعلیٰ ہے، سرکار اعلیٰ حضرت نے چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی بحروں میں کلام کہے ہیں اور عجیب عجیب تشبیہات و استعارے، کنایے استعمال فرمائے ہیں۔ آپ کی نظر میں اگر ایسی ہی شاعری کسی اور شاعر کی ہو تو ضرور بتائیں ہمیں انتظار ہے۔

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ شاعری میں بھی بلند پایہ رکھتے ہیں بل کہ میری نظر میں اردو دنیا میں ایسا شاعر ہی نہیں پیدا ہوا جو آپ کے ہم پلہ کیا پاسنگ بھی ہو۔ آپ نے زیادہ تر شاعری میں محبوب کے رخ، زلفیں، رخسار، ہونٹ اور ناک پر اشعار پڑھے یا سنے ہی ہوں گے، لیکن سرکار اعلیٰ حضرت نے مذکورہ سبھی اعضا پر تو اشعار کہے ہی ہیں لیکن "قدم مبارک" یعنی پاؤں یا پاؤں سے منسلک اشیا پر بھی غضب کے اشعار کہے ہیں، جب کبھی ہم ان کو پڑھتے ہیں دل جھوم اٹھتا ہے، ایسے ہی کچھ اشعار آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اُٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ واہ

چاند و سورج خود منور ہیں اور اپنی روشنی سے ساری دنیا کو منور کر رہے ہیں، اگر ان کا نور ختم ہوجائے تو دنیا ختم ہوجائے، اس قدر نور رکھنے والے سیارے بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے محتاج ہیں اور کس قدر محتاج ہیں یہ شعر میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے، پہلے مصرع میں سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام کی ذات اقدس وہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ماوشما تو کیا چاند سورج بھی خیرات لینے کے لیے دوڑ لگاتے نظر آتے ہیں، چوں کہ ان سیاروں کی رفتار اتنی تیز نہیں کہ یہ آقا علیہ السلام کے وجود مسعود سے ڈائریکٹ کسب فیض کر سکیں، اس لیے ان کے مقدر میں گردِ رہ منور ہی آئی، ان کے لیے یہی کیا کم ہے، اس گرد کا کیا کہنا..... سرکار اعلیٰ فرماتے ہیں

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے

رفتار کے متعلق سرکار اعلیٰ حضرت ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ جب آقا علیہ السلام سفر معراج پر روانہ ہوئے تو رفتار کا عالم یہ تھا۔

جھلک سی اِک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی
سواری دُولھا کی دُور پہنچی برأت میں ہوش ہی گئے تھے
رَوِش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اِک بھبوکا پُھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دَہر دَہر پیڑ جل رہے تھے

ظاہر ہے جب آقا کریم علیہ السلام کی سواری کی رفتار اس قدر تیز ہوتو چاند وسورج تو اپنی کسلانیت اور سست روی پر آنسو ہی بہا سکتے ہیں، آقا علیہ السلام نعلین اقدس کی خاک تو نہیں مل سکتی کیوں کہ آپ سوار تھے، اس لیے سواری کی گرد ضرور ملی، سواری جس قدر تیز ہوگی اس کے آس پاس گرد بھی اتنی ہی تیز اٹھتی ہے، تقریب فہم کے لیے ٹرین وغیرہ کی رفتار کا مشاہدہ کافی، آقا علیہ السلام کی سواری سے اٹھنے والی گرد کو مہ وخورشید نے پایا اور اپنے نور کو دوام بخشا، جس سے ہماری زندگیاں روشن ہیں، ان کی یہ روشنی آقا کریم علیہ السلام کی ہی روشنی ہے ..... سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، کاش ان ذرات سے ہمیں بھی کچھ ملتا تو ہم بھی رشک قمر رنگ رخ آفتاب ہوجاتے ؎

رشکِ قمر ہوں رنگ رُخِ آفتاب ہوں
ذرّہ ترا جو اے شہِ گردُوں جناب ہوں

سرکار اعلیٰ حضرت دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں ؎

اٹھتی ہے کس شان سے گردسواری واہ واہ

اور" گردسواری" شان سے کیوں نہ اٹھے کہ سب سے اعلیٰ شان والے نبی کی سواری کی گرد ہے، اس گرد کا شان سے اٹھنا، اترانا تو بنتا ہی ہے ...... کیوں کہ

اُٹھی جو گردِ رہِ مُنَوَّر ....وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل، بھرے تھے جل تھل، اُمنڈ کے جنگل اُبل رہے تھے

اس گردِ رہِ منور کا حال یہ تھا کہ موسلا دھار نور کی بارش ہوئی اور ایسی ہوئی کہ کیا جل، کیا تھل، کیا جنگل سب کچھ بھر گیا... (جل تھل یعنی خشکی وتری، پہاڑ، وادیاں سب نور سے بھر گئے) ایک بار پھر مذکورہ شعر کو پورا پڑھیے اور قوی واقویٰ مرغانِ وہم کے پَر کھولیے اور دَم بھر مزید اُڑان بھریے لیکن سینے کی ٹھوکر اٹھانے سے ضرور خود کو بچائیے کیوں کہ خونِ اندیشہ آپ کی جان/ ایمان یا دونوں کا نقصان کرسکتا ہے.....

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گردِسواری واہ واہ

بات چل رہی ہے" گرد" کی تو پھر سرکار اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیں اور لطف اندوز ہوں...

ذرے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

سواری کی گرد منور کا حال یہ ہے کہ اس نوری بارش سے جل تھل بھر گئے تو پھر نعلین اقدس کی گرد منور کا کیا حال ہوگا، سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! آپ کی پیزاروں سے جو ذرے جھڑتے ہیں وہ سیاروں کے سروں کے تاج بنتے ہیں اور انھیں ذرات کی بدولت چاند وسورج جگمگا رہے ہیں اور جگمگا اس لیے رہے ہیں کہ انھوں نے پیزاروں کے ذرات کو اپنے سروں کا تاج بنا کے رکھا ہے، نیز دیگر سیارے بھی ہماری زندگی میں بہار لاتے ہیں.....

عام طور پر جو گرد اٹھتی ہے وہ ہمارے چہروں کو دھول کر دیتی ہے، چہرہ خراب کر دیتی ہے، آنکھوں میں چلی جائے تو آنکھیں کھلتی نہیں ہیں لیکن اس گرد کا کہنا ہی کیا ہے، یہ گرد چہرے بگاڑتی نہیں ہے بل کہ چہروں میں پڑے داغ دھبوں کو بھی دور کر دیتی ہے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

ستم کیا کیسی مت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کی رہ گزر کی
اٹھا نہ لایا کہ ملتے ملتے یہ داغ سب دیکھتا مٹے تھے

یہاں سرکار اعلیٰ حضرت فرما رہے ہیں کہ اے چاند تیرے چہرے پر یہ جو داغ ہے کاش تیری مَت نہ ماری جاتی، کچھ عقل کام کرتی تو جب نور کی خیرات لینے کے لیے تو دوڑ لگا رہا تھا اور کچھ گرد رہ منور تو نے پا بھی لی تھی تو ایسا کیوں نہ کیا کہ وہی گرد رہ منور اپنے داغ دار چہرے پر مل لیتا تو صدیوں سے تیری خوب صورتی پر جو داغ تھا وہ گرد رہ منور کے فیض سے دور ہو جاتا اور تیری خوب صورتی میں چار چاند لگ جاتے مگر افسوس کہ تو ایسا نہ کر سکا.... سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے یوں ہی قدم مبارک پر اور اشعار کہے ہیں جنھیں آپ حدائق بخشش میں پڑھ سکتے ہیں۔

کلام اعلیٰ حضرت کے نام سے ایک اپلیکیشن بھی ہے، ڈاؤن لوڈ کیجیے اور کبھی کبھی کچھ اشعار پرسکون ماحول میں بغور

پڑھیے، وہ مزہ ملے گا جو کہیں اور آپ نہ پائیں گے، جتنا پڑھتے ہیں جائیں اعلیٰ حضرت سے اتنی ہی محبت ہوتی جائے گی اور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبعِ رضا کی قسم

سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (1856،1921) کی شاعری کمال کی ہوتی ہے، تشبیہات و استعارات آپ کے یہاں جس اعلیٰ سطح کے پائے جاتے ہیں انھیں دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات سرکار اعلیٰ حضرت کی شاعری میں اپنی معراج کو پہنچے ہوئے تھے، چلیے شعر کی جانب چلتے ہیں آج کا شعر ہے ؎

راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی
چادرِ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں

ویسے تو دیگر شعرا نے اپنے محبوبوں کے متعلق بڑی جاں فشانی اور عرق ریزی کی ہے اور اپنی بساط بھر کوشش کی ہے لیکن محبوب کے استقبال کے لئے مجھے مذکورہ شعر سے زیادہ اچھا شعر ابھی تک نہیں ملا، ہم پہلے کچھ کچھ اشعار دنیاوی شعرا کے پیش کرتے ہیں، پھر سرکار اعلیٰ حضرت کے شعر کو موضوعِ سخن بنائیں گے۔ ایک شاعر محبوب کے استقبال پر کہتا ہے ؎

یہ کس زہرہ جبیں کی انجمن میں آمد آمد ہے
بچھایا ہے قمر نے چاندنی کا فرش محفل میں

کیا تمہیں پتہ ہے اے گلشن مرے دل بر آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم دل کو بچھانے والے ہیں

شعرا کبھی آنکھیں بچھاتے ہیں تو کبھی دل و جگر، کوئی اپنے محبوب کے لیے پھول اور کلیاں بچھاتا ہوا نظر آتا ہے تو کوئی اپنے محبوب کے لیے چاند کی چاندنی کا فرش بچھاتا نظر آ رہا ہے، آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے محبوب، ممدوح کے لیے کہیں ریڈ کارپٹ بچھاتے ہیں تو کہیں پھول اور کلیاں، مگر سیدی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ نہیں محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ ساری چیزیں بے کار ہیں، چاندنی کا فرش تو بہت پرانا ہو چکا ہے اور پُر داغ بھی ہے، یعنی چاند پر جو داغ ہے اس کا اثر اس کی روشنی پر بھی جا بجا پڑ رہا ہے، اس لیے اس کی چاندنی بھی داغ دار ہی ہے، لہٰذا آقا علیہ السلام کے استقبالیہ میں چاندنی کا فرش بھی نہیں بچھایا جا سکتا، قصیدہ معراجیہ کے ایک شعر میں سرکار اعلیٰ حضرت چاندنی کے فرش کے متعلق فرماتے ہیں ؎

پرانا پُر داغ مل گجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تار نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

چاندنی کا فرش تو اٹھا دیا لیکن مصرع ثانی میں کیا کمال کی بات کی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم عشاق نبی کریم ﷺ ان کی راہ میں یہی لاکھوں سال پرانا، پُر داغ، مَل گجا سا فرش نہ بچھائیں گے بل کہ ہم عشاق تو اپنی آنکھوں کی روشنی کو کام میں لائیں گے اور اس قدر لائیں گے کہ وہ کوسوں یعنی میلوں تک قدم قدم فرش کا کام کرے گی، یعنی عشاق کی آنکھوں سے نکلنے والی روشنی کا ہجوم (تار نگہ) روشنی کا بھی کام کرے گا اور فرش کا بھی کہ روشنی سے زیادہ صاف شفاف اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ مذکورہ شعر ایک بار پھر پڑھیے اور عشق امام احمد رضا کو محسوس کیجیے ؎

پرانا پُر داغ مل گجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تار نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے

اب اس شعر کی طرف آتے ہیں جو اس تحریر کا مقصد ہے ؎

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے مَل گجی زیر قدم بچھائے کیوں

فرماتے ہیں کہ کہ دنیا کے عشاق اپنے محبوب کے استقبال کے لئے نہ جانے کیا کیا بچھاتے ہیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، پھول، کلیاں، ریڈ کارپٹ، دودھیا سفید، چمچماتے فرش، مگر آپ فرماتے ہیں: یہ سب بھی دنیا داروں کے ہاتھ لگنے سے مَل گجے ہو گئے ہیں، نیز "چادر ظل" یعنی سائے کی چادر بھی مَل گجی ہو گئی ہے، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ جب دھوپ پورے شباب پر ہوتی ہے تو اس کی روشنی صاف ہوتی ہے، سب کچھ صاف دکھائی دیتا ہے، لیکن جب دھوپ ہلکی ہو جیسے بادل ہو گیا ہو یا پھر جہاں سایہ ہوتا ہے وہاں دھوپ کے مقابلے روشنی کچھ مَل گجی یعنی میلی میلی سی لگتی

ہے، لہٰذا اس سائے کی چادر بھی مل گئی ہے، جیسا کہ چاند کی چاندنی مَل گئی ہو گئی تھی، اسے بھی آقا علیہ السلام کے قدموں کے نیچے نہیں بچھایا جاسکتا۔ اگر ایسا ہے تو تو پھر کیا بچھایا جائے اور محبوب کا استقبال کیسے کیا جائے؟ کیا کسی دنیا دار عاشق کی طرح یہ کہ کر پلہ جھاڑ لیا جائے کہ ؎

انھیں پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کہیں کہکشاں نہیں ہے

نہیں! یہ تو بے اعتنائی ہوگئی اور محبوب کی قدر ہی گھٹ گئی یعنی آپ محبوب سے ایسی محبت نہیں کرتے جس سے آپ کے دل میں اس کی عظمت ہو، ورنہ کہنے والوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ ؎

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

سرکار اعلیٰ حضرت عاشقوں کے امام یوں ہی نہیں بن گئے، جس طرح ان کا محبوب عالی جاہ، معظم ومکرم، سید کونین ہے، اسی طرح ان کا عاشق بھی عاشقی میں اکمل واتم ہے، فرماتے ہیں ع

"راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی"

اللہ کے نبی کی راہ میں کسی اور طرح کے پرانے، پُر داغ، مل گجے فرش بچھانے کی ضرورت نہیں ہے، اگر سفید فرش ہی بچھانا ہے تو پھر اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ ہم عشاق کی آنکھوں کی سفیدی کو اکٹھا کر کے فرش بنایا جائے اور محبوب دو جہاں کے قدموں کے نیچے بچھا دیا جائے اور کہہ دیا جائے سرکار ؎

ہم کمینوں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

یہ ہیں اعلیٰ حضرت اور یہ ہے ان کا عشق، اپنے محبوب کے استقبال کے لئے نہ تو لاکھوں سال پرانے چاند کی چاندنی بچھانا گوارا ہے اور نا ہی سائے کی چادر بچھانا روا سمجھتے ہیں، اگر کچھ قابل قدر سمجھتے ہیں تو وہ عشاق کی آنکھوں کی قدرتی سفیدی کو فرش بنانے کی بات کرتے ہیں، سچ فرمایا آپ نے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

جب کبھی حدائقِ بخشش مطالعہ کی غرض سے کھلتی ہے تو ہمارا ذہن بھی نئی نئی تعبیرات دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور عشق رسول کی معطر فضائیں ہمارے دل ودماغ کو بھی عشق کے رنگ میں رنگ دیتی ہیں، نیز سرکار اعلیٰ حضرت کی شعری تعبیرات دیکھ کر ان کی عزت وعظمت اور بڑھ جاتی ہے۔

ایسے میں ہمیں اپنے قارئین کا خیال بھی آجاتا ہے کہ جو فقیر سمجھ رہا ہے اس میں سے کچھ آپ کی بصارتوں کے حوالے بھی کیا جائے تا کہ عشق رسول کریم علیہ السلام میں اضافہ بھی ہو اور ساتھ ہی ساتھ سرکار اعلیٰ حضرت ارضاہ عنا کی عقیدت اور علمی نکتہ سنجیاں بھی آپ دیکھ سکیں۔ نیز ان سے اختلاف کرنے والوں کے قد کا بھی آپ کو اندازہ ہو جائے۔

اس سلسلے کی پچھلی تین قسطوں میں ہم نے سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے چند اشعار کی تشریح کی تھی، جس میں دو تحریروں کی سرخی تھی" یہ پاؤں مرے سرکار کے ہیں" اور پہلی کی تھی" اعلیٰ حضرت کی شاعری بے مثال ہے" اگر اب تک آپ نے یہ اقساط نہیں پڑھیں تو فیس بک پر سرچ کر کے پڑھ لیں، ان شاء اللہ الگ ہی مزہ پائیں گے۔

اب یہ چوتھی قسط بھی آپ کے حوالے کرنے جا رہا ہوں، امید ہے آپ کو پسند بھی آئے گی اور مزہ بھی آئے گا۔ کوئی خامی ہو تو وہ پوری پوری میرے کھاتے میں ہی جائے گی۔ سرکار اعلیٰ حضرت کا ایک کلام ہے ؎

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

اس نعت شریف کے مطالعہ کے وقت جب یہ دو شعر پڑھے تو طبیعت میں عجب کیف طاری ہوا اور سرکار اعلیٰ حضرت کی تعبیرات پر حیرانگی بھی ہوئی کہ امام سے کچھ بھی نہیں چھوٹا، شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

گوش تک سُنتے تھے فریاد اب آئے تا دوشکہ
بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو

محبوب کی زلفوں پر شعرا زمانہ قدیم سے طبع آزمائی کرتے

رضویات

رہے ہیں اور الگ الگ تعبیرات شعرا کے یہاں پائی جاتی ہیں، چوں کہ شعر کی گہرائی کو سمجھنا ہے اس لیے زلفوں پر مشہور شعرا کے چند اشعار بھی دیکھتے چلیں تا کہ اعلیٰ حضرت اور دیگر شعرا کی شاعری اور تعبیرات میں آپ واضح فرق محسوس کرسکیں، ملاحظہ فرمائیں:

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبراویں گے کیا
مرزا غالبؔ

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
میر تقی میرؔ

پھر یاد بہت آئے گی زلفوں کی گھنی شام
جب دھوپ میں سایہ کوئی سر پر نہ ملے گا
بشیر بدرؔ

زلف کلموہی کو پیارے اتنا بھی سر مت چڑھا
بے محابا منہ پہ تیرے پاؤں کرتی ہے دراز
حسرتؔ عظیم آبادی

خیال زلف دوتا میں نصیرؔ پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل تو لکیر پیٹا کر
شاہ نصیرؔ

دل سے کیا پوچھتا ہے زلف گرہ گیر سے پوچھ
اپنے دیوانے کا احوال تو زنجیر سے پوچھ
امداد امام اثرؔ

حضرات! جب ہم نے شعرا کے اشعار دیکھے تو بڑا تعجب ہوا، ایک طرف شعرا اپنے محبوبین کو قرار جاں بتاتے ہیں تو دوسری طرف محبوب کی زلفیں انھیں "ناگن" نظر آتی ہیں۔

کوئی انھیں زلفوں کو زنجیر سے تعبیر کر رہا ہے تو کوئی انھیں "کل موہی" کہہ رہا ہے۔ کوئی گھنی دھوپ میں سایہ قرار دے رہا ہے تو کوئی انھیں زلفوں کو موت سے تعبیر کر رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بھئی وہ عاشقی اور محبوبیت ہی کیا کہ جس میں محبوب کے جسم کے کسی بھی حصے کی تنقیص کی جائے اور پھر دعویٰ بھی ہو کہ ہم عاشق ہیں اور عاشق بھی بلا کے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ محبوب کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عضو کی تعریف ہو، لوگوں نے تو محبوب کی گلیوں، محبوب سے منسوب اشیا پر بھی جان چھڑکی ہے اور یہاں کہانی ہی الگ ہے۔ خیر! اب آئیے اور سرکار اعلیٰ حضرت کا یہ شعر پڑھیے اور پھر اس کی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔

گوش تک سُنتے تھے فریاد اب آئے تا دوشکہ بنیں خانہ بدوشوں کو سہارے گیسو جب آقا کریم علیہ السلام کی زلفیں آپ کے کانوں تک تھیں اس وقت بھی لوگوں کی فریادیں سنتی تھیں اس کی دو صورتیں بنتی ہیں: اوّل یہ کہ جب کوئی فریاد لے کر آقائے کائنات علیہ السلام کے پاس جاتا تو گوش ہائے مبارک اپنی خدمت انجام دیتے اور آقا علیہ السلام فریاد رسی فرماتے۔

دوم یہ کہ آپ کی زلفیں کانوں تک تھیں تو کانوں کے ساتھ ساتھ یہ زلفیں بھی فریاد سنا کرتی تھیں اور ان کے وسیلے سے بھی مصیبتیں دور ہوتی تھیں۔ لیکن جب زلفیں بڑھ کر شانہ تک آپہنچیں تو اب بھی فریاد رسی ہو رہی ہے۔ لیکن اب دادرسی کا انداز بدل گیا ہے وہاں فریاد سنتی تھیں اور یہاں خانہ بدوشوں کا خود ہی سہارا بنی جا رہی ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ زلفوں کا شانہ تک آنا ایسے ہی نہیں ہے کیوں کہ شانہ یعنی کندھا ایک سہارا ہوا کرتا ہے، ہم عام بول چال میں بولتے ہیں کہ اب فلاں کے پاس کوئی کندھا نہیں جس پر وہ رو سکے یعنی کوئی سہارا نہیں بچا۔ یوں ہی بولا جاتا ہے کہ کندھا لگانا یعنی سہارا دینا۔

اب جو آقا علیہ السلام کی زلفیں کندھوں تک آئی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم غریب خانہ بدوشوں کی فریاد صرف سنیں گی نہیں بلکہ نیچے آ کر ہم جیسے خانہ بدوشوں (در بدر پھرنے والوں) کو سہارا دینے کے لیے آئی ہیں۔

لہٰذا ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ آقا علیہ السلام کی زلفیں ہمیں اس دُنیا میں بھی سہارا دیں گی اور جب میدان محشر میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، سورج سوا نیزے پر ہوگا اس وقت بھی یہ زلفیں ہمارے لیے سہارا بنیں گی اور محشر کی تپش سے بھی نجات کا ذریعہ بنیں گی۔ یہ ایسی زلفیں ہیں کہ جب سب

سہارے ٹوٹ جائیں گے اور ہر سایہ بے سایہ ہو جائے گا، اس وقت ہم غریبوں کا سایہ بنیں گی۔ سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

ہم سیہ کاروں پہ یارب تپشِ محشر میں سایہ افگن ہوں ترے پیارے کہ پیارے گیسو

سبحان اللہ! یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شاعری ہے کمال ہے لیکن سمجھے گا وہی جو اعلیٰ کو مانتا ہو۔

اسی نعت شریف کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ یہاں زلف عنبریں کا کیا کام ہے اور سرکار اعلیٰ حضرت نے یہاں کیسی تعبیر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کعبۂ جاں کو پنھایا ہے غلافِ مُشکیں خانہ کعبہ۔ ایمان کا کعبہ ہے اور کالا غلاف چڑھا رہتا ہے یہاں سیدی سرکار اعلیٰ حضرت نے آقا علیہ السلام کے چہرہ اقدس کو کعبہ کی جان قرار دیا ہے ظاہر ہے جب ایمان کا کعبہ غلافِ مشکیں سے ڈھکا ہوا ہے تو پھر جو کعبے کا کعبہ ہے، جو جان کا کعبہ ہے اسے بدرجہ اولیٰ ڈھکا جانا چاہیے۔

لہٰذا اس کے لیے یہ دنیاوی غلاف نہیں بلکہ قدرتی، عنبریں، کالی زلفوں کا غلاف استعمال کیا جائے گا تا کہ خوبصورتی میں مزید اِضافہ ہو جائے، ذرا تصور کیجیے جس چہرے کی چمک کے آگے چاند بھی پھیکا نظر آئے اس گورے سفید چہرے پر جب یہ کالی عنبریں زُلفیں پڑتی ہوں گی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی اور حسن کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ اسی کی عکاسی سرکار کی حضرت یوں فرماتے ہیں ؎

کعبہ جاں کو پنھایا ہے غلاف مشکیں
اُڑ کر آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

یعنی یہ زلفیں جان کے کعبہ کا غلاف ہیں اور یہ اڑ اڑ کر اپنے کعبہ کو غلاف مشکیں پہناتی رہتی ہیں۔ جب آقا علیہ السلام زلفیں ہٹاتے ہیں تو لوگ کعبے کے کعبے کا دیدار کرتے ہیں اور جب زلفیں اڑ کر چہرہ اقدس کو ڈھک لیتی ہیں تو آنکھیں گویا غلاف سے ڈھکے ہوئے کعبے کا منظر پیش کرتی ہیں اور عاشق ہزار جان سے قربان ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی نہیں کہا کہ

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نوٹ: یہ مکمل فقیر کی اپنی سمجھ ہے، نہ کسی شرح کی کاپی اور نا کسی کی مدد! میری تشریحات فقط میری ہیں، اس لیے خامی ہو تو مکمل میری ذمہ داری۔

□□□

ص ۵۵ / کا بقیہ..

سیاہ خضاب لگانے والے شخص کی امامت وخطابت اور اس کی پیری مریدی ہرگز درست نہیں، حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اگر سیاہ خضاب کا عادی ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔" (فتاوی امجدیہ، جلد 1، صفحہ 160، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو مسلک مہذب مسلک اعلیٰ حضرت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

□□□

ص ۶۲ / کا بقیہ..

اگر اس تاریخی موقع پر علمی بیداری، تحقیقی سرگرمیوں اور فقہی شعور کے فروغ کا ایک ہمہ گیر منصوبہ مرتب کر لیا جائے تو یہ جشن محض ایک یادگار تقریب نہیں رہے گا بلکہ برصغیر کی دینی تاریخ میں ایک نئے علمی عہد کے آغاز کی حیثیت اختیار کر جائے گا، یہی اس دو صد سالہ جشن کا حقیقی پیغام، حقیقی مقصد اور حقیقی ثمرہ ہے کہ امت اپنے علمی سرمائے کو پہچانے، اپنے اکابر کی خدمات کا اعتراف کرے اور افتا و تحقیق کی اس مبارک روایت کو مزید استحکام بخشنے کے لیے عملی میدان میں قدم بڑھائے۔ یہی خاندانِ اعلیٰ حضرت کے اسلاف کے ساتھ حقیقی وفاداری اور ان کے علمی فیضان کا صحیح حق ادا کرنے کا راستہ ہے۔

□□□

عالم اسلام کو
عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی بہاریں خوب خوب مبارک ہوں

از: ابومحمد عارفین القادری*

امام اہل سنت اور سنیوں کی حالت زار

اہل سنت کو عروج کیوں نہیں ملتا؟ کیوں ہم لوگ زوال کا شکار ہیں؟ ہم متحد کیوں نہیں ہو پاتے۔ وجہ کیا ہے؟ ہمارے آپسی انتشار کا سبب کیا ہے؟ فرماتے ہیں: خالص اہل سنت کی ایک قوتِ اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے مگر اس کے لئے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے۔(1) علما کا اتفاق۔(2) تحمل شاق قدر بالطاق۔(یعنی بقدر طاقت مشقت کو برداشت کرنا)(3) امرا کا انفاق لوجہ الخلاق۔(یعنی اہل سنت کے مالدار اور وسائل رکھنے والے افراد کا اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا) یہاں یہ سب باتیں مفقود ہیں فإن للہ وإنا إلیہ راجعون۔

1 علما کی حالت: علما کی یہ حالت ہے کہ رئیسوں سے بڑھ کر آرام طلب ہیں۔

2 حمایت مذہب (اہل سنت) کے نام سے گھبراتے ہیں۔

3 جو بندۂ خدا اپنی جان اس (عقائد ونظریاتِ اہل سنت کے دفاع) پر وقف کرے اسے احمق بلکہ مفسد سمجھتے ہیں۔

4 مداہنت (یعنی اپنے کسی فائدے کی خاطر حق بیان کرنے سے رک جانا) ان کے دلوں میں پیری (رچی بسی) ہوئی ہے۔

مداہنت کی مثال: ایام ندوہ میں ہندوستان بھر کا تجربہ ہوا، عباراتِ ندوہ سن کر ضلالت ضلالت کی رٹ لگا دیں اور جب کہئے حضرت لکھ دیجئے، بھائی لکھواؤ نہیں، ہمارے فلاں دوست برا مانیں گے، ہمارے فلاں استاد کو برا لگے گا، بہت کو یہ خیال کہ مفت میں اوکھلی میں سر دے کر مُوسل کون کھائے۔(یعنی مفت میں اپنی جان کو خطرے میں کیوں ڈالا جائے) بدمذہب دشمن ہو جائیں گے، دانتوں پر رکھ لیں گے، گالیاں، پھبتیاں، اخباروں، اشتہاروں میں چھاپیں گے۔ طرح طرح کے بہتان افترا اُچھالیں گے، اچھی بجھی جان کو کون جنجال میں ڈالے، بعض کو یہ کد کہ حمایتِ مذہب کی تو صلح کلی نہ رہے گی،،، الخ۔

اتفاقِ علما کا حال کہ (1) حسد کا بازار گرم۔(2) ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے۔(3) اس کی توہین تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ "ہیں" لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔(4) اب فرمائیں کہ وہ قوم کہ اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل، قاصروں کو ذی فضل بنانے میں کیا کوشش کرے گی؟ حاشا یہ کلیہ نہیں مگر للا کثر حکم الکل۔ اعلیٰ حضرت کا اپنا کردار (5) فقیر میں لاکھوں عیب ہیں مگر میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل پاک رکھا ہے، اپنے سے جسے زیادہ پایا اگر دنیا کے مال و منال میں زیادہ ہے قلب نے اندر سے حقیر جانا، پھر حسد کیا حقارت پر؟ اور اگر دینی شرف و افضال میں زیادہ ہے، اس کی دست بوسی و قدم بوسی کو اپنا فخر جانا، پھر حسد کیا معظم بابرکت پر؟ اپنے میں جسے حمایتِ دین پر دیکھا اس کے نشر فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریراً و تقریراً ساعی رہا، اس کے لئے عمدہ القاب وضع کر کے شائع کئے جس پر میری کتاب "المعتمد المستند" وغیرہ شاہد ہیں۔

ہمارے امیروں کی حالت

(1) ہمارے اغنیا نام چاہتے ہیں۔(2) معصیت بلکہ صریح ضلالت میں ہزاروں اڑا دیں، خزانوں کے منہ کھول دیں، یونیورسٹی کے لئے کتنی جلد تیس لاکھ جمع ہو گیا۔ مدرسہ دیوبند کو ایک عورت نے پچاس ہزار روپے دے دیا، مگر کسی سنی مدرسہ کو بھی یہ دن نصیب ہوا؟(3) اوّل تو تائید دین و مذہب جن کا نام لئے گھبرائیں گے، میاں! یہ ان مولویوں کے جھگڑے ہیں۔(4) اور شر ماشرمی خفیف وذلیل (معمولی) چندہ بھی بقیہ ص ۲۵ / پر

از: مفتی محمد عالم رضا نوری ازہری*

بولتا جہل ہے بدنام خرد ہوتی ہے

کالا خضاب اور خلاصۂ ارشادات امام اہل سنت

ابوداؤد شریف کی کسی روایت سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ کالا خضاب لگانا جائز اور سنت مصطفی ﷺ ہے، قول مختار و منصور و مذہب جمہور ثابت بارشاد حضور پر نور ﷺ یہی ہے کہ مجاہدین کے علاوہ ہر ایک کے لئے کالا خضاب ناجائز وحرام ہے، لہٰذا جو چیز بالوں کو سیاہ کرے یا قریب بسیاہ کرے، خواہ نرا نیل یا مہندی کا میل یا کوئی تیل، غرض کچھ ہو سب ناجائز و حرام ہے، کتم سے سیاہی نہیں آتی بلکہ اس سے سرخ رنگ میں مضبوطی آتی ہے مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ کے بعض صاحبوں نے خضاب وسمہ (کتم) وحنا کی روایات تو دیکھیں اور ان کا مطلب اصلاً نہ سمجھا۔

فقیر ازہری کے واٹس ایپ پر بعض احباب کی طرف سے ایک کلپ بھیجی گئی اور اس پر فقیر کا عندیہ طلب کیا گیا، مذکورہ کلپ میں کوئی مقرر صاحب فرما رہے ہیں کہ کالا خضاب لگانا سنت ہے وہ بھی سنت مصطفی ﷺ، العیاذ باللہ اور حوالہ میں ابوداؤد شریف کی روایت پڑھ رہے ہیں جس میں کتم کا ذکر آیا ہوا ہے، اب کتم کا مطلب وہی ہے جو انہوں نے سمجھا ہے یا کچھ اور! اس پر تبصرہ نہ کرتے ہوئے بس اتنا عرض کرونگا کہ اسی ابوداؤد شریف میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کالا خضاب لگانے والے جنت کی خوشبو تک نہیں پائیں گے، جنت میں داخل ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

"قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔" (سنن ابی داؤد)

اس حدیث پاک کی تشریح وتوضیح میں مفسر شہیر حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب حرام ہے خواہ سر میں لگائے یا داڑھی میں، مرد لگائے یا عورت، سب اِسی ممانعت میں داخل ہیں۔'' (مرآۃ المناجیح)

امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں متعدد مقامات پر بتصریح فرمایا ہے کہ مجاہدین کے سوا ہر ایک کے لئے کالا خضاب لگانا ناجائز وحرام ہے بلکہ یہاں تک رقم فرمایا ہے کہ ایسی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں جو سیاہی لائے یا سیاہی سے قریب کرے اور اس کی حرمت پر اپنے مبارک رسالہ حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب میں ایک دو نہیں بلکہ سولہ احادیث مبارکہ بطور سند پیش فرمائی ہے: آپ کی ذکر کردہ احادیث مبارکہ کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

(۱) "الصفرۃ خضاب المؤمن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر۔ ترجمہ: زرد خضاب ایمان والوں کا ہے، سرخ خضاب اسلام والوں کا ہے اور سیاہ خضاب کافروں کا ہے۔" (طبرانی ومستدرک)

(۲) "من اختضب بالسواد سود اللّٰہ وجھہ یوم القیامۃ۔ ترجمہ: جو سیاہ خضاب کرے قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کا منہ سیاہ کرے گا۔" (کنز العمال)

(۳) "قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: غیروا ھذا بشیئ واجتنبوا السواد. رواہ مسلم عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وفی حدیث آخر من خضب بالسواد سود اللّٰہ وجھہ یوم القیمۃ رواہ الطبرانی۔

* مضمون نگار مدرسہ اشرفیہ قادریہ معین العلوم فخر پور بہرائچ شریف یوپی کے استاذ اور مفتی ہیں۔

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان بالوں کو کسی چیز سے تبدیل کردو لیکن سیاہی سے بچو، امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے اسے روایت کیا ہے اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ جس نے سیاہ خضاب لگایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سیاہ کرے گا، اس کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔"

(۴)"یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة رواہ ابوداؤد والنسائی عن ابن عباس رضی االلّٰہ تعالٰی عنھما۔ ترجمہ: کچھ لوگ سیاہ خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کے پوٹے ہوں، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے، ابوداؤد ونسائی رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔" (سنن ابی داؤد وسنن النسائی)

(۵)"ان اللّٰہ تعالی لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامة. ترجمہ: جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔" (کنز العمال)

(۶)"غیروا الشیب ولا تقربوا السواد۔ ترجمہ: پیری تبدیل کرو مگر سیاہی تو سیاہی ہے، سیاہی کے قریب بھی مت جاؤ۔" (رواہ الامام احمد فی مسندہ)

(۷)"شر کھو لکم من تشبه بشبابکم۔ ترجمہ: تمہارے ادھیڑوں میں سب سے بدتر وہ ہے جو جوانوں کی سی صورت بنائے۔" (رواہ الطبرانی)

شعبدہ گر بھی پہنتے ہیں خطیبوں کا لباس
بولتا جہل ہے، بدنام خرد ہوتی ہے

مقرر صاحب جوش تملق میں یہ بھی بھول گئے کہ امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اس تعلق سے مسلک کیا ہے، ان کا ارشاد پاک کیا ہے، ان کی تصریحات کیا ہیں، ان کا حکم کیا ہے، ان کا مبارک فتویٰ کیا ہے، بس لے دوڑے ابوداؤد شریف کی روایت، یہ بھی غور وفکر کرنا گوارہ نہ کیا کہ حدیث پاک کا صحیح مفہوم اور محمل کیا ہے، اس میں وارد لفظ کتم کا صحیح وراجح مطلب کیا ہے؟ امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اس تعلق سے مسلک مہذب ملاحظہ فرمائیں: آپ ارشاد فرماتے ہیں: مہندی میں اتنا نیل ملانا جس سے رنگ سیاہ آئے حرام ہے، قیامت کے دن ان کے منہ کالے کئے جائیں۔

ایک دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں: حدیث ابوداؤد ونسائی میں کبوتر کے پوٹے سے تشبیہ بھی اسی طرف ناظر، جنگلی کبوتروں کے پوٹے اکثر نیلگوں ہوتے ہیں۔ خاص مہندی کی رنگت گہری نہیں ہوتی، جب اس میں کچھ پتیاں نیل کی ملادی جائیں تو سرخ گہرا رنگ ہوجاتا ہے، یہ حسن ہے نہ یہ کہ اتنا نیل ملادیا جائے کہ سیاہ کردے، یا پہلے مہندی سے رنگ کر جب بال خوب صاف ہوگئے اس پر نیل تھوپا کہ یہ سب وہی حرام صورتیں ہیں جن کو اجتنبوا فرمایا، لا یجدون رائحة الجنة فرمایا: جس پر سود اللّٰہ وجھه آیا، شراب کہ خلط نمک سے سرکہ ہوجائے نہ یہ کہ گھڑے بھر شراب میں نمک کی ایک کنکری ڈال کر پی جائے نہ یہ کہ بہت سا نمک پھانک کر اوپر سے شراب چڑھائے، تحریم سواد سے صرف مباشران جہاد کا استثنا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: بالجملہ یہی قول مختار ومنصور ومذہب جمہور ثابت بارشاد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور شک نہیں کہ احادیث وروایات میں مطلقًا سیاہ رنگ سے ممانعت فرمائی تو جو چیز بالوں کو سیاہ کرے خواہ نرا نیل یا مہندی کا میل یا کوئی تیل، غرض کچھ ہو سب ناجائز وحرام اور ان وعید میں داخل ہے۔

حدیث پاک میں وارد لفظ کتم کو مقرر صاحب کئی گھنٹوں سے لئے بیٹھے تھے، پھر بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس تعلق سے کیا ارشاد فرمایا ہے، اسے دیکھا جائے، اسے پڑھا جائے یا کسی ماہر فقیہ سے اس کا مطلب فتاویٰ رضویہ شریف کی روشنی میں دریافت کیا جائے، امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ صاف فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کتم سے سیاہی نہیں آتی بلکہ اس سے سرخ رنگ میں مضبوطی آتی ہے مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ کے بعض صاحبوں نے خضاب وسمہ وحنا کی روایات تو دیکھیں اور ان کا

مطلب اصلاً نہ سمجھا اوّل تو وسمہ (کتم) نیل ہی کو نہیں کہتے بلکہ ایک اور پتی ہے کہ حنا میں مل کر اس کی سرخی تیز کر دیتی ہے ورنہ خالص حنا کی سرخی گہری نہیں ہوتی۔

ایک بار دل کی انکھ سے امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے: بالفرض ان کی خاطر مان ہی لیجئے کہ وسمہ سے نیل مراد تو حاشا وہ روایتیں یہ نہیں کہتیں کہ پہلے مہندی کا خضاب کیجئے جس سے بال خود بخود صاف ہوجائیں، اس پر وسمہ چڑھائیے کہ ظلمتیں اپنا پورا عمل دکھائیں نہ یہ کہ برائے نام نیل میں کچھ پتیاں مہندی کی ڈال کر خلط کا حیلہ کیجئے اور روسیاہی کا کامل لطف حاصل کیجئے بلکہ یہ مقصود کہ وسمہ میں اتنی حنا ملے کہ اس پر غالب آ کر رنگ میں سیاہی نہ آنے دے بلکہ یہ مراد کہ اصل خضاب حنا کا ہو اور اس میں کچھ پتیاں نیل کی شریک کر لی جائیں جس سے اس کی سرخی میں ایک گونہ پختگی آجائے، اس کی نظیر بعینہ یہ ہے کہ شراب میں نمک ملانے کو علما نے باعث تخلیل وتحلیل فرمایا ہے کہ جب سرکہ ہوگئی حقیقت بدل گئی حلت آ گئی کہ اب وہ شراب ہی نہ رہی، ان روایات کو دیکھ کر کوئی صاحب پہلے نمک کھا کر اوپر سے شراب پی لیں یا گھڑے بھر شراب میں ایک کنکری نمک ڈال کر چڑھا جائیں کہ ہم تو نمک ملا کر پیتے ہیں۔

مقصود یہ تھا کہ نمک اس کا جوش بٹھا دے ترش کر کے سرکہ بنادے ایسے حیلے شرع مطہر میں کیا کام دے سکتے ہیں، الحاصل مدار کار رنگ پر ہے، بالفرض اگر خالص مہندی سیاہ رنگت لاتی وہ بھی حرام ہوتی اور خالص نیل زرد یا سرخ رنگ دیتا وہ بھی جائز ہوتا، یوں ہی نیل اور مہندی کا میل یا کوئی بلا ہو جو کچھ سیاہ رنگ لائے سب حرام ہیں۔

قریب بسیاہ کے تعلق سے فرماتے ہیں: سیاہ خضاب مطلقاً حرام ہے اور سیاہ مقول بالتشکیک نیلا، اودا، کاسنی سب سیاہ ہے اور بفرض غلط سیاہ نہ ہو تو قریب سیاہ قطعاً ہے اور حدیث صحیح کا ارشاد ہے: لاتقربوا السواد۔

تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی جس روایت کی بنیاد پر کالا خضاب لگانے کو مقرر صاحب سنت مصطفی ﷺ بتا رہے ہیں، اسی روایت کو امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ سیاہ خضاب کی حرمت پر بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ شریف سے سوال وجواب دونوں ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ ۱۹۲..... ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ داڑھی وغیرہ پر مرد کو بلا کسی وجہ موجہ کے وسمہ کرنا یا کسی رنگ سے رنگنا جائز ہے یا گناہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تنہا مہندی مستحب ہے اور اس میں کتم کی پتیاں ملا کر کہ ایک گھاس مشابہ برگ زیتون ہے جس کا رنگ گہرا سرخ مائل بسیاہی ہوتا ہے اس سے بہتر اور زرد رنگ سب سے بہتر اور سیاہ وسمے کا ہو خواہ کسی چیز کا مطلقاً حرام ہے۔ مگر مجاہدین کو۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

"مر علی النبی صلی االلّٰہ تعالٰی علیه وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن هذا قال فمر اٰخر قد خضب بالحناء و الکتم فقال هذا احسن من هذا ثم مر اٰخر قد خضب بالصفر فقال هذا احسن من هذا کله۔ یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب مہندی کا خضاب کئے گزرے فرمایا یہ کیا خوب ہے، پھر دوسرے گزرے انھوں نے مہندی اور کتم ملا کر خضاب کیا تھا فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے، پھر تیسرے زرد خضاب کئے گزرے فرمایا: یہ ان سب سے بہتر ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل فتاویٰ فقیر میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ شریف مترجم ج ۲۳ ص ۴۸۷ تا ص ۵۰۵)

حضور تاج الشریعہ بدر الطریقہ قاضی القضاۃ فی الہند شیخ الاسلام والمسلمین مرشد برحق حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: کہ کالا خضاب لگانا ناجائز ہے۔

(فتاوی تاج الشریعہ ج ۹ ص ۳۰۲)

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

بقیہ ص ۵۱ پر

(از: محمد رمضان رضا قادری*)

امامِ اہلِ سنت اور دفاعِ ناموسِ رسالت ﷺ

مصطفےٰ کریم ﷺ کا دفاع اعلیٰ ترین عمل ہے، اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے رب عزوجل نے خود قرآن مجید میں جگہ بہ جگہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کا دفاع کیا ہے۔ جب ولید بن مغیرہ نے تاجدارِ رسالت ﷺ کی شان رفیع میں کلمات شنیع بکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے اس کافر ازلی کے دس اوصاف ذمیمہ بیان کئے اور ارشاد فرمایا:

"عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ۔ (القلم: ۱۳) ترجمہ: دُرشت خُو اس سب پر طُرّہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔" (کنز الایمان)

اسی طرح جب نبی پاک ﷺ کے فرزند دلبند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے وصال پُر ملال پر کفار بداطوار نے بدکلامی کے ذریعہ سید عالم ﷺ کے دل کو ٹھیس پہنچائی، اللہ پاک نے ان کی گستاخی کا جواب اور اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ (الکوثر: ۳) ترجمہ: بے شک (اے حبیب ﷺ!) جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔" (کنز الایمان)

تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی حضور نبی کریم ﷺ کی چادر عظمت کو داغ دار کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، اسی دم عشاقانِ مصطفےٰ ﷺ نے ان بے باکوں، بے ادب گستاخوں اور بے دریغ بدزبانوں کا عملاً، قولاً، تحریراً تقریراً ہر جہت سے مقابلہ کیا اور ان دشمنانِ بارگاہِ خیر الانام ﷺ کی سعی قبیح کو خاک میں ملا دیا اور زمانے کو بتلا دیا کہ ہمارے لیے ہماری جان، مال، اولاد اور ہر شئے سے بڑھ کر مصطفےٰ کریم ﷺ کی ناموس کی حفاظت کرنا ہے۔

اس تناظر میں جب ہم امام عاشقاں، علامۂ زماں، فخر الاعیاں، محقق دوراں، مجدد مائۃ سابقہ، موئد ملّت طاہرہ، جامع معقول و منقول، حاوی فروع واصول، ثانئ نعمان، معجزۃ من معجزات محبوب الرحمٰن شاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کو دیکھتے ہیں آپ کی شخصیت اس میں نمایاں نظر آتی ہے۔ دفاعِ مصطفےٰ ﷺ پر جو آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں پچھلے سو سالوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور یہ محض زبانی دعویٰ نہیں بلکہ اس پر آپ کی تصنیفات جلیلہ اور تالیفات کثیرہ شاہد عدل ہیں، جس میں آپ نے وہ علم کے موتی پروئے ہیں جس کا اعتراف نہ صرف اپنے بلکہ غیروں نے بھی کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ایک باوقار اور علمی گھرانے میں ہوئی، محض چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن پاک مکمل کیا اور اپنی خداداد ذہانت وفطانت سے آٹھ سال کی چھوٹی عمر میں علم نحو کی مشہور کتاب "ہدایۃ النحو" کی عربی شرح لکھ ڈالی، زمانۂ طالب علمی میں آپ علم اصول فقہ کی معروف کتاب "مسلم الثبوت" کا مطالعہ کر رہے تھے کہ والد ماجد کا ایک اعتراض اور اس کا جواب نظر سے گزرا۔ آپ نے حاشیے میں ایسا تحقیقی مضمون لکھا کہ اعتراض کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ والد ماجد یہ دیکھ بہت خوش ہوئے اور فرط مسرت سے سینے سے لگا لیا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت: ص: 106 ملخصا)

آپ نے محض 13 برس 10 ماہ کی قلیل عمر میں جملہ علومِ متداولہ کی تکمیل فرما کر مسند افتا کی زینت بنے اور مسئلۂ رضاعت پر ایک محققانہ فتویٰ تحریر فرما کر والد گرامی سے مزید داد و تحسین حاصل کی۔ آپ کی پوری زندگی عشقِ رسول ﷺ، اطاعت رسول ﷺ اور دفاعِ رسول ﷺ میں بسر ہوئی۔ آپ کی طرزِ زندگی "اشداء علی الکفار رحماء بینهم" کا حسین امتزاج اور

* مضمون نگار مالیگاؤں، مہاراشٹر کے متوطن ہیں۔

"الحب فی اللہ والبغض فی اللہ" کی عملی تصویر تھی۔ آپ کے دورِ حیات میں جب بھی کسی نے مصطفیٰ کریم ﷺ کے خلاف زبان درازی کر کے امت میں انتشار، خلفشار اور فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کی آپ نے اسی وقت اس کی سوچ وفکر کی بیخ کنی فرماتے ہوئے بے بلا خوف وخطر اس کا دندان شکن جواب دیا۔ آپ کا قلم عرب وعجم اور حل وحرم میں دشمنانِ مصطفی ﷺ کے لیے یادگار ذوالفقار بن گیا۔ جس نے بھی سرکار ابد قرار ﷺ کی عظمت وحرمت پر انگلی اٹھائی آپ نے اپنے تیغِ قلم سے اسے مجروح اور مردہ کر دیا۔ چاہے اپنا ہو یا غیر، اس معاملے میں آپ نے کسی کا لحاظ نہیں رکھا۔

الغرض! دفاعِ مصطفیٰ ﷺ کے سلسلے میں آپ کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع وعریض ہے، جن کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔

(1) شُمُوْلُ الْاِسْلَامِ لِاُصُوْلِ الرَّسُوْلِ الْکِرَامِ

اس رسالۂ مبارکہ میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے دس آیت کریمہ اور کثیر احادیث طیبہ سے ایمان ابوین کریمین ثابت کر کے حضور شافع یوم النشور ﷺ کے آبا و اجداد کا دفاع کیا۔ مزید ان 35 علمائے عظام، فقہائے اعلام اور متکلمین اسلام کی فہرست بھی پیش کر دی جو ایمان ابوین کریمین کے قائل ہیں۔

(2) اَلدَّوْلَۃُ الْمَکِّیَّۃُ بِالْمَادَّۃِ الْغَیْبِیَّۃِ

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ نافعہ علمِ غیب مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر محض ساڑھے آٹھ گھنٹے میں بزبان عربی تحریر فرمایا، جس میں حقائق ودقائق معارف وعوارف کے بحر ذخار لہریں مار رہے ہیں، اس کے دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے تازہ دم لشکر ہیں۔ رسالۂ مذکورہ کا طرز تحریر گویا معانی بدیعہ کی پاکیزہ لڑیوں میں عربی ادب کے خوشنما پروئے ہیں۔

(سوانح اعلیٰ حضرت: ص: 297 قادری کتاب گھر)

یوں ہی اسی موضوع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل:

*اِزَاحَۃُ الْعَیْبِ بِسَیْفِ الْغَیْبِ

*اِنْبَاءُ الْمُصْطَفٰی بِحَالِ سِرٍّ وَّاَخْفٰی

*خَالِصُ الْاِعْتِقَاد

میں علم غیب مصطفیٰ ﷺ پر وارد ہونے والے اعتراضات کا ایسا مدلل و مفصل جواب ارقام فرمایا کہ اگر مخالفین بھی بلا تعصب پڑھیں تو موافقین کی صف میں شامل ہو جائیں۔ مذکورہ آخری رسالے میں آپ نے 120 دلائل و براہین سے علم غیب مصطفی ﷺ کا اثبات فرمایا اور منکرین کے غلط پروپیگنڈے اور باطل افتراؤں کا ردِ بلیغ کیا۔ یوں آپ کے یہ چاروں رسالے آپ کے عشقِ رسول اور دفاع مصطفیٰ ﷺ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(3) نَفْیُ الْفَیْءِ عَمَّنْ اِسْتَنَارَ بِنُوْرِہٖ کُلُّ شَیْءٍ

آپ نے اس رسالہ باہرہ میں متعدد کتب معتبرہ مشہورہ کے حوالوں سے حضور ﷺ کے سایہ کی نفی نہایت علمی و منطقی انداز میں بیان فرمائی، اسی سلسلے کی ایک کڑی "قَمَرُ التَّمَامِ فِیْ نَفْیِ الظِّلِّ عَنْ سَیِّدِ الْاَنَامِ" ہے، جس کے بارے میں آپ خود فرماتے ہیں: فقیر کا یہ رسالہ مطالعہ کرے ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کافی پائے گا اور مرشد کافی، ہم نے اس رسالہ میں اس مسئلہ (حضور کا سایہ نہ تھا) کی غایت تحقیق ذکر کی ہے اور نہایت نفیس دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ (نفی الفیئ: ملخصاً)

دیابنہ جو کہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کے بھی منکر ہیں مذکورہ رسائل بالاستیعاب مطالعہ کریں تو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

(4) اَلْاَمْنُ وَالْعُلٰی لِنَاعِتِی الْمُصْطَفٰی بِدَافِعِ الْبَلَاءِ

امام اہل سنت قدس سرہٗ سے استفتا کیا گیا کہ: زید کا کہنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو" دافع البلا" کہنا شرک محض ہے۔ آیا کہ زید کا یہ قول تعلیمات اسلاف کے موافق ہے یا مخالف؟

آپ نے اس استفتا کے جواب میں ایک گراں قدر رسالہ بنام "الامن والعلی" تصنیف کیا اور حضور پرُ نور شافع یوم النشور ﷺ کے حاجت روا، مشکل کشا، دافع البلا اور مختار کل ہونے پر تقریباً ساٹھ (60) قرآنی آیات اور تین سو احادیث طیبات نقل فرما کر دلائل وبراہین کے وہ انبار لگائے کہ وہابیہ کے باطل افکار

ونظریات کی جڑیں ہل گئیں۔ یوں جب وہابیہ نے حضور سید عالم ﷺ کے اس عظیم فضل و کمال کا انکار کیا تو آپ نے بے خوف ہو کر اپنے کریم آقا ﷺ کا شاندار دفاع فرمایا۔

المختصر جب دشمنان مصطفیٰ ﷺ، نبی پاک ﷺ کے لیے قیام تعظیمی پر معترض ہوئے اور اسے بدعت سیئہ بتا کر عوام اہل سنت کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈال کر انہیں اپنے نبی ﷺ کی تعظیم سے برگشتہ کرنے کی سعی پیہم کی اس وقت مجدد اعظم قدس سرہٗ نے "اِقَامَةُ الْقِيَامَة عَلٰی طَاعِنِ الْقِيَامِ لِنَبِیٍّ تِهَامَة" رسالہ تصنیف فرمایا اور عوام الناس کو گمراہوں کی گمراہیت سے بچا کر، محبت رسول کی عطر بیز، مشکبار خوشبوؤں سے مشام جاں معطر کر دیا۔

یونہی جب اعداء مصطفیٰ ﷺ نے حضور احمد مجتبیٰ ﷺ کے نام پاک پر انگھوٹے چومنے پر اعتراض کر کے اپنی باطنی خباثت کا اظہار کیا اور اپنے علم اصول حدیث کی دھانپ عام علما پر جمانا چاہی، اس وقت اس مرد مجاہد نے "مُنِيْرُ الْعَيْنِ فِیْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ" رسالہ لکھ کر ان کے گھمنڈ کو چکنا چور کر دیا، اور اپنی تحقیقات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ سے اس فعل تعظیم نبی ﷺ کا اثبات اس انداز سے فرمایا کہ معترضین سے آج تک اس کا جواب نہ بن سکا۔

مزید "نَهْجُ السَّلَامَةِ فِیْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ فِی الْاِقَامَةِ" تصنیف فرما کر منکرین کے تابوت پر آخری کیل ٹھونک دی۔ الغرض یہ کہ آپ نے ان دونوں رسالۂ مبارکہ میں علم اصول حدیث کی وہ گرہیں کھولی ہیں جسے پڑھ کر عقل حیرت میں غوطہ زن ہوجاتی ہے اور قاری کو اپنی کم مائیگی کا بخوبی احساس ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جب نور مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں لوگوں کے عقیدے متزلزل ہونے لگے عین اسی دم آپ نے "صَلَاتُ الصَّفَاءِ فِیْ نُوْرِ الْمُصْطَفٰی" رسالہ لکھ کر لوگوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت کی اور ذات اقدس ﷺ کا بہترین انداز میں دفاع کیا۔

اسی پر بس نہیں جب زمانۂ مصطفیٰ کریم ﷺ کے بعطائے خدا شہنشاہ ہونے پر مشکک ہوا، اس وقت آپ نے "فِقه شهنشاه وَاَنَّ الْقُلُوبَ بِيَدِ الْمَحبُوبِ بِعَطَاءِ الله" رسالہ تالیف فرما کر لوگوں کے شکوک وشبہات کا خاتمہ کیا اور لفظ "شہنشاہ" کا اطلاق سرکار دو جہاں، مالک کون و مکاں، شہنشاہ زمین و آسماں ﷺ پر اکابرین امت سے نہایت احسن انداز میں ثابت فرمایا۔

بعض کم علموں نے حضور جانِ عالم ﷺ کے افضل و سید المرسلین ہونے کا انکار کیا۔ اسی دم اس عاشق مصطفیٰ نے "تَجَلِّی الْيَقِيْنِ بِاَنَّ نَبِيَّنَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْن" نامی رسالہ تصنیف فرما کر حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور اس میں دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کو یکجا کر کے امت کو اپنے نبی ﷺ کے اس عظیم الشان اعزاز کا درس دیا۔ منکرین شفاعت سید المرسلین کی تردید میں آپ نے "اِسْمَاعُ الْاَرْبَعِيْن فِیْ شَفَاعَةِ سَيِّدِ الْمَحبُوبِين" جیسا گوہر آبدار رسالہ ترتیب دے کر اس موضوع پر چالیس احادیث کا عطر بیز گلدستہ امت کو پیش کیا۔

جب وہابیہ ندائے یارسول اللہ پر نقطہ چینی کرنے لگے اور بے دریغ مسلمانوں کو کافر ومشرک قرار دینے لگے عین اسی وقت اس مرد حق نے امت مرحومہ کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے "اَنْوَارُ الْاِنْتِبَاه فِیْ حِلِّ نِدَاءِ يَارَسُوْلَ الله" رسالۂ جلیلہ تحریر کیا اور اس میں اقوال سلف صالحین پیش کر کے مسلمانوں کے ایمان کو مزید تقویت بخشی جب کہ منکرین پر قیامت برپا کر دی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالہ "مُنْيَةُ اللَّبِيْب اَنَّ التَّشْرِيْعَ بِيَدِ الْحَبِيب" میں باذن پروردگار حضور سید عالم ﷺ کے مالک و مختار ہونے پر کثیر حجتیں قائم فرمائی اور شریعت مطہرہ میں حضور ﷺ کے اختیار کو واضح کیا۔ چوں کہ وہابیہ کی عیب جوئی کی خصلت اور فضائل و کمالات سے چشم پوشی کی عادت نے انہیں حضور نبی پاک ﷺ کے اس امتیاز بے مثال سے روگردانی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ مذکورہ ان معاندین کے لیے بیان کافی اور براہین شافی ہے اور جب حضور نبی کریم

ﷺ کے اپنے رب عزوجل کے دیدار کی بات آتی ہے تو اس عاشق صادق کا قلم پھر جوش محبت میں ڈوب کر اپنی جولانیاں دکھاتا ہے اور یوں "مُنَبِّہُ الْمُنْیَۃِ بِوُصُوْلِ الْحَبِیْبِ اِلَی الْعَرْشِ وَ الرُّؤْیَۃِ" جیسا عظیم رسالہ منصۂ شہود پر آتا ہے۔ اس رسالہ مبارکہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مرفوع احادیث اور آثار صحابہ و تابعین سے حضور ﷺ کے اس منفرد و ممتاز وصف کا نہایت عمدہ اور بہترین انداز میں اثبات فرمایا۔

آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی سب سے منفرد اور عظیم خوبی آپ کا خاتم النّبیین ہونا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تقریباً پانچ رسالے تصنیف فرما کر محافظین ختم نبوت کی صف میں نمایاں مقام حاصل کیا اور ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے ایوانوں پر ایسی برقِ خاطف گرائی کہ آج تک ان کی دیواریں لرزاں و ترساں ہیں۔ ان رسائل کے اسمایہ ہیں:

(1) اَلْمُبِیْن خَتْمُ النَّبِیّیْن

(2) جَزَاءُ اللہِ عَدُوَّہٗ بِاِبَآئِہٖ خَتْمَ النُّبُوَّۃ

(3) قَھْرُ الدَّیَّانِ عَلٰی مُرْتَدٍّ بِقَادِیَان

(4) اَلسُّوْءُ وَالْعِقَاب عَلَی الْمَسِیْحِ الْکَذَّاب

(5) اَلْجُرَازُ الدَّیَّانِی عَلَی الْمُرْتَدِّ الْقَادِیَانِی

(یہ سیدی اعلیٰ حضرت نوّر اللہ مرقدہٗ کی آخری تصنیف ہے جو آپ نے وصال سے چند روز قبل تحریر فرمائی۔)

اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "حُسَّامُ الْحَرَمَیْن عَلٰی مَنْحَرِ الْکُفْرِ وَالْمَیْن" تصنیف فرما کر امت پر عظیم احسان فرمایا، جسے دنیائے سنیت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ اس شاہکار رسالے میں آپ نے طواغیت اربعہ سمیت مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کذابوں کے چہروں سے ان کے کفریات کا پردہ اٹھایا اور ان کی اصلیت علمائے حرمین شریفین کے سامنے بے نقاب فرمائی، نتیجتاً علمائے حرمین شریفین نے بارگاہ رسالت میں ان کی گستاخیوں کے سبب ان پر حکم کفر صادر فرمایا۔

نیز "تمہید ایمان بآیتِ قرآن" رسالے میں طواغیت اربعہ کی غلاظت بھری عبارات نقل فرما کر ان کی گستاخیوں کو روز روشن کی طرح واضح فرمایا اور حضور نبی پاک ﷺ کے بارے میں کیا ایمان رکھنا چاہیے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث پاک کی روشنی میں نہایت عمدہ اور دل نشین انداز میں عوام اہل سنت کو سمجھایا۔

الغرض! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ کی زندگی کا ہر لمحہ دفاع ناموس رسالت ﷺ اور گستاخان بارگاہ نبوت کی تردید میں صرف ہوا۔ جہاں آپ نے نثر کے ذریعہ فرقہائے باطلہ کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملایا، وہی شعر و سخن کے ذریعہ اپنے محبوب ﷺ کی مدح سرائی کرتے ہوئے حضور جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعدا کا نہایت مؤثر انداز میں رد و طرد فرمایا، جس پر حدائق بخشش شاہد ہے۔

یہ سب تو محض آپ کی تصنیفات و تالیفات کی ایک اجمالی فہرست ہے، ورنہ فتاویٰ رضویہ میں دفاع مصطفےٰ ﷺ کے مقامات ایسے کثیر ہیں کہ طوالت کے خوف سے ان کا ذکر یہاں ممکن نہیں۔ اللہ کریم! سیدی اعلیٰ حضرت کی تربتِ اطہر پر انوار و تجلیات کی بارش نازل فرمائے، ان کے عشق رسول کے صدقے ہمارے دلوں میں بھی اپنے حبیب ﷺ کے عشق کی شمع روشن فرمائے، آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ۔

جماعت رضائے مصطفےٰ

یہ اعلیٰ حضرت کی قائم فرمودہ ایک روشن تاریخ کی حامل جماعت ہے، جس کی نشاۃ ثانیہ حضور تاج الشریعہ قدس سرہ العزیز کے ہاتھوں ہوئی۔

برادران اہل سنت اپنے اپنے علاقے میں اس کی شاخیں قائم کریں، اس عظیم جماعت کے ممبر بنیں اور مرکز سے جڑ کر اپنی ملّی و مذہب خدمات انجام دیں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں۔

مزید معلومات کیلئے 7055078621 پر رابطہ کریں۔

از: حافظ افتخار احمد قادری*

دو سو سالہ خدماتِ افتا اور خاندانِ اعلیٰ حضرت

برصغیر کی دینی و فقہی اور علمی تاریخ میں بعض خانوادے ایسے گزرے ہیں جن کی خدمات محض ایک عہد یا ایک نسل تک محدود نہیں رہیں بلکہ صدیوں تک ان کے فیوض و برکات امت مسلمہ کے فکری و اعتقادی اور عملی افق پر ضوفشاں رہے۔ انہی جلیل القدر خانوادوں میں خاندانِ اعلیٰ حضرت کو ایک امتیازی اور منفرد مقام حاصل ہے۔

یہ وہ خانوادہ ہے جس نے علوم شریعت کی اشاعت، عقائد اہلِ سنت کے تحفظ، فقہ اسلامی کی ترویج اور افتا و قضا کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور مسلسل دو صدیوں تک امت کی دینی رہنمائی کا فریضہ اس استقامت، دیانت اور علمی وقار کے ساتھ انجام دیا کہ اس کی مثال برصغیر کی فقہی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔

افتا دراصل منصبِ نبوت کا ایک عظیم شعبہ ہے۔ مفتی محض ایک فقیہ نہیں ہوتا بلکہ وہ کتاب و سنت، اجماع و قیاس اور اصولِ استنباط کی روشنی میں امت کے لیے احکام شرعیہ کی توضیح و تشریح کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اس منصب کی نزاکت اور عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکابر امت فتویٰ دینے میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور دیگر آئمہ مجتہدین کے حالات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ وہ فتویٰ کے معاملہ میں لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ ایسے میں اگر کوئی خانوادہ دو سو برس تک مسلسل افتائی خدمات انجام دے اور ہر دور کے پیچیدہ مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرتا رہے تو یہ محض ایک علمی کارنامہ نہیں بلکہ ایک تاریخی معجزہ استقامت ہے۔

خاندانِ اعلیٰ حضرت کی افتائی تاریخ کا آغاز ان اکابر سے ہوتا ہے جنہوں نے علومِ دینیہ کے فروغ اور شرعی رہنمائی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ یہ سلسلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے اسلاف کرام سے شروع ہو کر آج تک جاری ہے۔ خود امام اہلِ سنت نے فتاویٰ رضویہ میں اس حقیقت کی صراحت فرمائی کہ ان کے جدِ امجد کے زمانہ سے لے کر ان کے عہد تک اس دروازے سے مسلسل فتوے صادر ہوتے رہے۔ یہ بیان محض ایک تاریخی اطلاع نہیں بلکہ دو صدیوں پر محیط ایک عظیم فقہی روایت کی مستند شہادت ہے۔ امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا وجود اس خانوادہ علم و فضل کا وہ درخشاں آفتاب ہے جس کی شعاعوں نے نہ صرف برصغیر بلکہ عالمِ اسلام کے وسیع خطوں کو منور کیا۔ آپ نے علومِ عقائد، فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ، ریاضیات، فلکیات اور متعدد فنون میں جو علمی آثار چھوڑے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

خصوصاً افتا کے میدان میں آپ کی عظمت کا اعتراف مخالف و موافق سبھی نے کیا ہے۔ آپ کے فتاویٰ محض جزئی مسائل کے جوابات نہیں بلکہ فقہی بصیرت، اصولی مہارت، نصوصِ شرعیہ پر گہری نظر اور حیرت انگیز استنباطی قوت کا شاہکار ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کو اگر فقہِ حنفی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس عظیم ذخیرہ علم میں عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، معیشت، نکاح و طلاق، وقف، وراثت، قضا، حدود، تعزیرات، عقائد، تصوف اور عصری مسائل کے متعلق ہزاروں دقیق مباحث موجود ہیں۔

ہر فتویٰ کے پس منظر میں قرآنِ کریم کی آیات، احادیث نبویہ، اقوالِ صحابہ، ارشاداتِ تابعین، ائمہ مجتہدین کے اقوال اور متقدمین و متاخرین فقہا کی تصریحات کا ایسا بحر ذخار موجزن نظر آتا ہے جو قاری کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ خاندانِ اعلیٰ حضرت کی افتائی خدمات محض علمی حلقوں تک

محدود نہیں رہیں بلکہ عوام الناس کی عملی زندگی سے گہرا تعلق رکھتی تھیں۔ ایک طرف پیچیدہ فقہی مسائل کا حل پیش کیا جاتا تھا تو دوسری طرف عام مسلمانوں کی روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے شرعی سوالات کا بھی نہایت سہل، واضح اور مدلل جواب دیا جاتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے طول و عرض میں لاکھوں افراد اس خانوادے کی طرف رجوع کرتے رہے اور ان کے فتاویٰ کو اعتماد و یقین کے ساتھ قبول کرتے رہے۔ خاندانِ اعلیٰ حضرت کی دوسو سالہ افتائی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے ہر دور کے فتنوں اور گمراہیوں کا علمی تعاقب کیا، جب عقائد اہلِ سنت پر حملے ہوئے تو اس خانوادے نے قلم سنبھالا، جب دینی شعائر کو نشانہ بنایا گیا تو اس خانوادے نے دلائل کی قوت سے ان کا دفاع کیا، جب جدید افکار اور باطل نظریات نے مسلمانوں کے عقائد میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی تو اسی خانوادے کے علما نے کتاب و سنت اور اقوالِ آئمہ کی روشنی میں حق کا پرچم بلند رکھا۔

اس افتائی روایت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علمی رسوخ کے ساتھ روحانی وقار بھی شامل رہا۔ فقہ اور تصوف کے درمیان جو حسین امتزاج اکابرِ اہلِ سنت کے یہاں نظر آتا ہے خاندانِ اعلیٰ حضرت اس کا عملی نمونہ ہے۔ یہاں فتویٰ محض خشک قانونی تعبیر نہیں بلکہ تقویٰ، خشیت الٰہی، عشقِ رسول ﷺ اور خیر خواہیِ امت کے جذبات سے معمور ہوتا ہے۔ اسی لیے ان فتاویٰ میں جہاں علمی گہرائی پائی جاتی ہے وہیں روحانی تاثیر بھی محسوس ہوتی ہے۔

دوسو سالہ جشنِ خدماتِ افتا دراصل ایک علمی روایت، فقہی تمدن اور ایک فکری وراثت کی تکریم ہے۔ یہ جشن اس حقیقت کے اعتراف کا نام ہے کہ برصغیر میں اگر فقہِ حنفی کی ترویج، عقائد اہلِ سنت کے تحفظ اور عوام کی شرعی رہنمائی کا کوئی درخشاں عنوان تلاش کیا جائے تو خاندانِ اعلیٰ حضرت کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ اس تاریخی وراثت کو صرف جذباتی عقیدت تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس کے علمی پہلوؤں کو تحقیق و تدقیق کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

دارالافتاء بریلی شریف کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک ایسی علمی تحریک کا مرکز رہا ہے جس نے برصغیر کے مذہبی، سماجی اور فکری مسائل کے حل میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ یہاں سے صادر ہونے والے فتاویٰ نے نہ صرف انفرادی زندگی کی رہنمائی کی بلکہ اجتماعی اور قومی سطح پر بھی امت مسلمہ کی فکری سمت متعین کی۔ یہی وجہ ہے کہ دارالافتاء بریلی شریف کا نام اعتماد، استناد اور علمی وقار کی علامت بن گیا۔

امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا بلکہ آپ کے خلفا، تلامذہ اور خانوادہ رضویہ کے اکابر علما نے اسی شان و شوکت کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبھایا۔ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفےٰ رضا خان قادری علیہ الرحمہ نے اس چراغ کو مزید فروزاں کیا۔ آپ کے فتاویٰ، علمی تحقیقات اور فقہی آراء آج بھی اہلِ علم کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کی ذات میں فقاہت، زہد و تقویٰ اور عشقِ رسول ﷺ کا ایسا حسین امتزاج جمع تھا جس نے لاکھوں دلوں کو متاثر کیا۔

اس کے بعد جانشین حضور مفتی اعظم ہند حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری علیہ الرحمہ نے افتا کے میدان میں جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا روشن باب ہیں۔ آپ نے داخلی و خارجی سطح پر پیدا ہونے والے بے شمار فقہی و اعتقادی مسائل کا نہایت محققانہ اور مدلل جواب دیا۔ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی رسوخ کا اعتراف عالمِ اسلام کے بڑے بڑے علما نے کیا۔ جدید دور کے نت نئے مسائل کے بارے میں آپ کے فتاویٰ اس بات کی دلیل ہیں کہ فقہِ اسلامی میں ہر زمانے کے مسائل کا حل موجود ہے بشرطیکہ اس کے اصول و ضوابط سے واقف اہلِ علم موجود ہوں۔

یہی وہ تسلسل ہے جس نے خاندانِ اعلیٰ حضرت کی افتائی خدمات کو دوسو سال تک جاری رکھا۔ دنیا کے بہت سے علمی مراکز وقت کے ساتھ کمزور یا ختم ہوگئے لیکن یہ خانوادہ اپنی علمی روایت، تحقیقی مزاج اور دینی وابستگی کی وجہ سے آج بھی زندہ اور

فعال ہے۔ اس استقامت کے پس منظر میں صرف علمی صلاحیت نہیں بلکہ وہ اخلاص بھی کارفرما ہے جو ہر عظیم خدمت کی بنیاد ہوتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کو فقہی متون، شروح اور حواشی پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ آپ کے فتاویٰ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کے حوالہ جات ملتے ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ محض حوالہ نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لے کر راجح اور معتمد قول کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ محض فتاویٰ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مستقل فقہی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، عصر حاضر میں جب زندگی کے مختلف شعبوں میں غیر معمولی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، افتا کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، بینکاری، انشورنس، ڈیجیٹل معیشت، مصنوعی ذہانت، حیاتیاتی علوم، ابلاغی ذرائع اور بین الاقوامی تعلقات کے میدان میں روز نئے مسائل سامنے آرہے ہیں۔

ایسے میں خاندانِ اعلیٰ حضرت کی دوسو سالہ افتائی روایت ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ اسلامی فقہ جامد نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک نظام ہے جو اپنے اصولوں کی روشنی میں ہر نئے مسئلہ کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسو سالہ جشنِ خدماتِ افتا کا اصل مقصد صرف ماضی کی یاد تازہ کرنا نہیں بلکہ مستقبل کی راہیں متعین کرنا بھی ہے۔ اگر یہ جشن محض رسمی تقاریب اور خطابات تک محدود رہا تو اس کا فائدہ عارضی ہوگا لیکن اگر اسے علمی و تحقیقی تحریک میں تبدیل کر دیا جائے تو اس کے اثرات آنے والی نسلوں تک پہنچیں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دارالافتاء بریلی شریف کی تاریخ، اس کے علمی کارناموں، اس کے مفتیانِ کرام کے حالات اور ان کے فقہی مناہج پر مستقل تحقیقی منصوبے شروع کیے جائیں، جامعات اور دینی اداروں میں ایسے تحقیقی مقالات لکھے جائیں جن میں فتاویٰ رضویہ کے مختلف موضوعات کا علمی جائزہ لیا جائے۔ جدید فقہی مباحث میں امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ اور ان کے جانشینوں کی آراء کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ عربی، انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں میں اس علمی ورثے کا تعارف کرایا جائے تا کہ عالمِ اسلام اس سے بھر پور استفادہ کر سکے۔ یہ حقیقت ہے کہ نئی نسل اپنے اسلاف کی علمی عظمت سے اس حد تک واقف نہیں جس حد تک ہونا چاہیے۔

اس جشن کے ذریعے نوجوانوں کو بتایا جانا چاہیے کہ افتا صرف چند کتابوں کے مطالعہ کا نام نہیں بلکہ عمر بھر کی علمی ریاضت، فکری پختگی اور روحانی تربیت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایک مستند مفتی بننے کے لیے جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے وہ انتہائی دشوار اور صبر آزما ہوتے ہیں۔ خاندانِ اعلیٰ حضرت کی تاریخ اس جد و جہد کی زندہ مثال ہے۔ دارالافتاء بریلی شریف کی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے ہمیشہ اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کی۔ نہ تو بے جا تشدد اور سخت گیری کو فروغ دیا گیا اور نہ ہی دین کے اصولوں میں مداہنت اور نرمی برتی گئی۔ یہی اعتدال اہلِ سنت و جماعت کی پہچان ہے اور یہی اس افتائی روایت کا بنیادی وصف بھی ہے۔

آج جبکہ فکری انتشار، مذہبی سطحیت اور غیر مستند آراء کا سیلاب امت کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا ہے ایسے وقت میں خاندانِ اعلیٰ حضرت کی دوسو سالہ خدمات ایک مضبوط علمی حصار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ خدمات ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ دین کا صحیح فہم انہی اکابر کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں علومِ شریعت کے حصول اور اشاعت میں صرف کر دی ہوں۔

دوسو سالہ جشنِ خدماتِ افتا دراصل علم کی عظمت، فقہ کی اہمیت، تحقیق کی ضرورت اور اکابرِ امت کی خدمات کے اعتراف کا جشن ہے، یہ جشن اس عہد کی تجدید کا نام ہے کہ افتا کی یہ تابندہ روایت آئندہ بھی جاری رہے گی، دینی مسائل کا حل کتاب و سنت اور فقہائے امت کی روشن تعلیمات کی روشنی میں تلاش کیا جاتا رہے گا اور خاندانِ اعلیٰ حضرت کی علمی و فقہی میراث آنے والی نسلوں تک پوری آب و تاب کے ساتھ منتقل کی جاتی رہے گی۔ بقیہ ص ۵۱ ر پر

از: مولانا شہزاد عالم رضوی*

حضور تاج الشریعہ! بحیثیت شاعر

ایک عاشق صادق کے کلام میں محبت کی سچی تصویر، ہجر یار میں غم واندوہ، سوز وگداز، لقائے یار کا بھرپور جذبہ اور محبوب کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کا عزم وارادہ جیسی پاکیزہ صفات کا ہونا امر لازم ہے یاد رہے کہ یہ اوصاف ہر ایک کا مقدر نہیں ہوتے بلکہ یہ خاص اسی کا حصہ ہے جس پر فضل الٰہی مہربان، عنایت ربانی کرم گستر اور محبت نبوی غالب ہو ان مذکورہ بالا اوصاف کو پیش نظر رکھ کر حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے نعتیہ دیوان پر گہری نظر ڈالیں تو آپ کو یہ تمام تر خوبیاں ہمارے ممدوح کے کلام میں بآسانی دستیاب ہو جائیں گی۔

حضور تاج الشریعہ کا یہ طرہ امتیاز رہے کہ آپ اردو عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شاعری فرماتے ہیں لیکن آپ کے نوک قلم سے کبھی کوئی شعر دنیا طلبی کے لئے نہیں نکلا اور نکلتا بھی کیسے کہ آپ کو حب نبوی، خودداری اور بے نیازی اپنے جد کریم امام اہل سنت سے ورثہ میں نصیب ہوئی تھی، اس لئے جو کچھ لکھا اپنے کریم آقا علیہ السلام کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے لکھا، ایک عاشق زار کے لئے محبوب علیہ السلام کی گلیوں میں دیوانہ وار پھرنا اور روضہ رسول کے دیدار سے آنکھوں کو منور کرنا سکون جاں اور راحت قلب وجگر ہے تصور کرو کہ اگر عاشق محبوب کی گلیوں کی جادہ پیمائی کے لئے مکمل تیار ہو اور وہ پر بہار منظر عنقریب آنکھوں کو روشن وتابناک کرنے والا ہو مگر اچانک کچھ شر پسند عناصر لقائے یار کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں اور وہ بھی اس حد کہ عاشق در حبیب کے دیدار سے محروم رہ جائے تو کیفیت کس قدر جاں گسل ہوگی اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس راہ پر خطر کی دشواریوں سے نبرد آزما ہوا ہو۔

ایسا ہی کچھ ہوا ہمارے ممدوح کے ساتھ کہ آپ کو مکہ شریف کی پر بہاروں فضاؤں سے لطف اندوزی کے دوران وہابی حکومت کے کارندوں نے بلاوجہ جواز گرفتار کر لیا اور خاندان اعلیٰ حضرت کے چشم وچراغ ہونے کے سبب گونہ گونہ سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا اور کئی روز کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی وہ اپنے فاسد مقصد میں ناکام ہی رہے بالآخر گھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق ان بدبختوں نے آپ کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کا موقع فراہم نہ کیا اور مدینہ منورہ کی خوشبوؤں سے مشام جاں کو معطر نہ کرنے دیا اور آپ کو وطن عزیز ہندوستان واپس کر دیا دیدار سے محرومی کے سبب دل کی دنیا میں طوفان غم کی جو تیز وتند آندھیاں چلیں ان کی کیفیات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

داغ فرقت طیبہ قلب مضمحل جاتا
کاش گنبد خضرا دیکھنے کو مل جاتا

عقل وخرد اور دینی شعور نے حقیقت دنیا سے آگاہی کے بعد ہم اہل ایمان کو یہ باور کر دیا کہ دار فانی میں رہ دائمی زندگی (جس کے بعد فنا خود بقا کی طرف دار نظر آتی ہے) کی حصولیابی کا واحد طریقہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جان ودل ہوش وخرد سب کچھ قربان دینا ہے زہے نصیب کہ زندگی کی آخری سانسیں بھی در محبوب پر ہی نکلیں اور اس کے مبارک دیار میں ہی موت بغل گیر ہو تو پھر موت خود زندگی کا مژدہ جانفزاں سناتی نظر آئے چنانچہ اسی دلی کیفیت کی عکاسی کرتے ہوئے مرشد گرامی وقار رقم طراز ہیں۔ ؎

موت لے کے آجاتی زندگی مدینہ میں
موت سے گلے ملکر زندگی میں مل جاتا

انسانی زندگی بار بار تکلیفوں سے دوچار ہوتی رہتی ہے اور

* مضمون نگار جامعۃ الرضا بریلی شریف، یوپی کے سینئر استاذ ہیں۔

بلاؤں کا ہجوم کبھی کبھار انسان کو ناامیدی کا شکار بنا دیتا ہے انجام کار احساس لاچارگی و بے بسی ہوتا ہے، اگر بندہ دامن اسلام سے وابستگی رکھتا ہو تو وہ ناامیدیوں کے ازدحام میں بھی سہارے کی راہ نکال لیتا ہے جس کے بعد دل مطمئن، روح پرسکون اور جسم راحت محسوس کرتا ہے۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ آخر وہ کون سا سہارا ہے جو بیک وقت انسان کے اتنے اعضا کو سامان راحت بخش رہا ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں کہ اہل ایمان کی زبان میں اس سہارے کو جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے چونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ آپ غمزدہ دلوں کو سکون بخشیں، گرتوں کو سہارا دیں اور جہنم کی راہ پر گامزن لوگوں کو جنت کی راہ دکھائیں اور بلاؤں کو خود گرفتار بلا کردیں، ہمارے ممدوح شاعر نے اسی مفہوم کی ترجمانی کچھ اس طرح کی ہے۔

مجھے کیا فکر ہو اختر مرے یاور ہیں وہ یاور
بلاؤں کو جو میری خود گرفتار بلا کردیں

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ شاعر دنیا نہیں بلکہ شاعر اسلام ہیں اور دینی شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے، آپ بھی اپنے جد کریم امام اہل سنت کی طرح اشعار کے ذریعہ عقائد اسلام اور نظریات اہل سنت کے دفاع میں سرگرم عمل نظر آتے ہیں، آئندہ سطور میں فقیر راقم السطور اعلیٰ حضرت اور تاج الشریعہ علیہما الرحمہ کے کچھ چنیدہ اشعار اپنے مختصر تبصرہ کے ساتھ پیش کرے گا کہ جس سے قارئین بخوبی جان لیں گے کہ حضور تاج الشریعہ تادم وصال نظم میں بھی اپنے جد کی روش پر مضبوطی سے گامزن رہے اور باد مخالف کبھی بھی آپ کے پائے ثبات میں جنبش پیدا نہ کرسکی، آئندہ سطور میں فقیر راقم السطور دونوں بزرگوں کے ان اشعار کو نذر قارئین کرے گا جن میں ایک ہی عقیدہ کی عکاسی کی گئی ہے۔

ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رب قدیر نے اپنے محبوب یکتا کو کل کائنات کی کنجیاں عطا فرمائی ہیں، رب تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نعمتیں عطا فرماتا ہے اور آپ خلق خدا میں تقسیم فرماتے ہیں، ہمارے اس دعویٰ پر آیات قرآنی اور احادیث طیبہ شاہد عدل ہیں، اگر اس بابت تحقیقی اور تفصیلی معلومات حاصل کرنا ہے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی کتاب مستطاب "منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب" کا بنظر غائر مطالعہ کریں، اس عقیدہ کے حوالے سے ہزاروں کتابوں کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

یوں ہی تاج الشریعہ فرماتے ہیں:

جہاں بانی عطا کردیں بھری جنت ہبہ کردیں
نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کردیں

انسان حیات مستعار گزار کر جب قبر کی سیاہ و تاریک کوٹھری کو اپنا مسکن بناتا ہے تو عزیز و اقارب کی رخصتی کے بعد ڈراونی شکل وصورت والے فرشتے آتے ہیں اور مردہ کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور تین بنیادی سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی صراحت کے بغیر یہ کہہ کر پوچھا جاتا ہے کہ تو اس مرد کی بابت کیا نظریہ رکھتا تھا، خوش عقیدہ اپنے پاکیزہ عقیدہ کا بڑی خوش اسلوبی سے اظہار کردیا کرتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کی قبر کو تابناک کردیا جاتا ہے، جبکہ گستاخ اور کفار کی زبان سے سوائے ھا ھا لا ادری ھا ھا لا ادری کے کچھ نہیں نکلتا، اس لئے ان کی خاطر جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ پہلی منزل سے ہی عذاب شدید میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ امام اہل سنت طلعت نبوی کی جلوہ سامانیوں اور اس کے نتیجہ میں مومن مخلص کو ملنے والی روشنیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قبر میں لہرائیں گے تا حشر چشمے نور کے
جلوہ فرما ہوگی جب طلعت رسول اللہ کی

امام کے اس شعر نے اتنا تو واضح کردیا کہ قبر میں سرکار علیہ السلام کی تشریف آوری ہوگی، اب جس نے دنیا میں آپ پر اپنا تن من دھن سب قربان کیا ہوگا تو وہ آپ کو پہچان بھی لے گا، اگرچہ دنیا میں کبھی بھی دیدار سے ہم کنار نہ ہوا ہو چونکہ ہر جگہ میرے

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری ہے، اسی حقیقت واعتقاد کو حضور تاج الشریعہ اپنے اس شعر کے ذریعہ اجاگر کرتے ہیں۔ ؎

آپ کی طلعت کو دیکھا جان دی
قبر میں پہنچا تو دیکھا آپ ہیں

ہمارے پاس نسبت ایک ایسی کامیاب دولت ہے جس کے سبب ہم مصائب وآلام کے کوہ گراں سے بھی ٹکرانے کی ہمت رکھتے ہیں اور یہی مستحکم نسبت کل بروز قیامت ہمارے لئے سامان بخشش بنے گی، امام احمد رضا خان نے یوں تو جملہ اولیائے کرام کا ادب واحترام ہم سنیوں کو سکھایا اور ہر ایک کی عقیدت دل میں بٹھائی اور اگر کسی کوتاہ نظر نے کسی ولی کے خلاف زبان طعن دراز کی تو امام نے اس پر زبردست قدغن لگایا اور منطقی وشرعی استدلال کے ذریعہ اس کے دانت کھٹے کر دیئے اب تک وہ امام کا جواب باصواب لانے سے عاجز ودرماندہ ہے، ہمارے اس دعویٰ کی مضبوط دلیل امام اہل سنت کا حضرت مخدوم بہار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع میں مرقوم رسالہ بنام "حجب العوار عن مخدوم بہار" ہے ہر چند کہ آپ تادم وصال حضرات اولیا کے دفاع میں تحریری وتقریری جنگ کرتے رہے مگر آپ کو ایک خاص لگاؤ حضرت سرکار سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھا، جس کا آپ کو خاص فیضان یوں ملا کہ آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جس پر تمام اہل سنت کو ناز ہے اور آپ کی تصانیف عصر حاضر میں حق وباطل کے مابین خط امتیاز کی حیثیت رکھتی ہیں، امام نے اسی قادری نسبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

تجھ سے در در سے سگ سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

قلادہ غلامی در گردن نہادن کا فائدہ کیا ہے، فرمایا؟

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

ایک جگہ منظوم دعا کرتے ہوئے عرض پرداز نظر آئے ؎

قادری کر قادری رکھ قادریوں میں اٹھا
قدر عبد القادر قدرت نما کے واسطے

آمدم بر سر مطلب! جس نسبت کا امام نے ذکر کیا اور اسی نسبت کے ساتھ دنیا میں رہنے اور اسی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی آرزو اور تمنا رکھی، آخر اس کا فائدہ کیا ہے تو اس فائدہ کو طشت از بام کرتے ہوئے مرشد برحق ارشاد فرماتے ہیں ؏

اختر قادری خلد میں چل دیا

سوال ہوا اس نسبت نے آپ کو جو جنت کا راستہ دکھایا ہے، یہ کہیں آپ کا اختصاص تو نہیں تو دفع دخل مقدر کے طور پر جواباً ارشاد فرمایا ؏

خلد وا ہے ہر ایک قادری کے لئے

یعنی قادری نسبت صرف اختر رضا کے لئے ہی کارگر اور مفید ہوا ایسا نہیں ہے بلکہ قادری مے خانہ کا جام ہر ایک لئے عام ہے جو چاہے عشق والفت کے اس جام سے سرشار ہو اور جنت کی راہ لے، یہ فقیر نے حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے بحر ناپیدا کنار کے چند قطرے اٹھا کر اپنے اور آپ کے کشکول میں ڈال دیئے ہیں، مزید فیضیابی کے لئے آپ کے نعتیہ دیوان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، رب قدیر ہم سب کو بزرگوں کی راہ پر گامزن رکھے اور انہیں کے ساتھ حشر فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

□□□

ص ۴۳ رکا بقیہ..........................

جس سے آزاد ہونے کے لیے ہمیں کسی بھی قسم کی قربانی دینے کی ضرورت ہے ورنہ نسلیں ختم ہو جائیں گی اور آزادی کی کوئی سبیل نہیں نکلے گی، اللہ عزوجل ہمیں دارین میں سرخرو فرمائے، آمین۔

□□□

امام احمد رضا نمبر

ماہنامہ سنی دنیا کا ایک عظیم صحافتی کارنامہ، امام اہل سنت کی حیات وخدمات کو ایک نئے زاویئے سے پیش کرنے والا ایک دستاویزی شمارہ، صرف ۲۰۰ روپے ادارہ کو بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

از: مفتی غلام مصطفےٰ نعیمی *

ہم اور ہماری ترجیحات

دو ہزار گیارہ کی مردم شماری کے مطابق بھارت میں مسلم آبادی 14.2 فیصد ہے۔جس کے مطابق مسلمانوں کی تعداد سترہ کروڑ بائیس لاکھ (17.22) بنتی ہے۔ یہ آبادی بنام "مسلم" ہے۔یعنی بھارت میں جتنے بھی کلمہ گو ہیں یہ ان کی کل تعداد ہے، چونکہ اندرونی سطح پر "مسلمان" مختلف مسلکوں میں تقسیم ہیں، اس لیے مسلکی اعتبار سے کس مکتب فکر کی کیا تعداد اور کتنی فیصد ہے، اس پر کسی طرح کا کوئی قابل ذکر سرکاری ریکارڈ نہیں ہے۔ علاقائی اعتبار ہی سے مختلف قرینوں سے مسلکی تعداد کا تناسب طے کیا جاتا ہے۔سرکاری سطح پر مسلمان دو مسلکوں میں شمار کیے جاتے ہیں: 1۔سنی 2۔شیعہ!

ان مسالک میں اندرونی سطح پر بھی تقسیم پائی جاتی ہے۔ شیعوں میں اثنا عشری، اسماعیلی، زیدی، آغا خانی، داؤدی بوہرہ اور نصیریہ جیسے فرقے پائے جاتے ہیں۔اہل سنت میں بھی کئی سارے مکتب فکر موجود ہیں۔جن میں سنی (بریلوی) دیوبندی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی وغیرہ اہم ہیں۔ملی گزٹ کی ایک رپورٹ (مجریہ ستمبر 2011ء) کے مطابق مسلمانوں میں عددی اعتبار سے سنی مسلمان سب سے بڑی جماعت ہیں۔جو کل آبادی کا 75 فیصد ہیں۔دوسرے نمبر پر دیوبندی مکتب فکر ہے جو قریب بیس فیصد ہے، باقی پانچ فیصد میں دیگر تمام مسالک شامل ہیں۔ بات نمائندگی کی ملی گزٹ کی مذکورہ رپورٹ پندرہ سال پرانی ہے، اس لیے سنی اور دیوبندی مکتب فکر کی آبادی میں کچھ فیصد کی کمی و بیشی ممکن ہے لیکن سنی بریلوی بہرحال اکثریت میں ہیں۔جسے علاقائی اعتبار سے صاف صاف دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔عددی فرق کو نظر انداز کردیں تو دیگر محاذ پر سنی مکتب فکر کے مقابلے دوسرے مکاتب فکر آگے نظر آتے ہیں۔

بات چاہے تعلیم اور سیاست کی ہو، سماجی امور ہوں، رفاہ و فلاح کا معاملہ ہو یا عام مسلمانوں سے جڑا کوئی قانونی معاملہ، سنی مسلمانوں کی نمائندگی سرے سے معدوم نظر آتی ہے یا برائے نام! ان امور میں سب سے آگے دیوبندی اور جماعت اسلامی کے افراد نظر آتے ہیں۔ہماری نمائندگی کو اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ دہلی جو ملک کا دارالحکومت ہے وہاں دیگر مکاتب فکر کے مرکزی دفاتر موجود ہیں جب کہ اہل سنت اس محاذ پر تقریباً تہی دست ہیں، جمیعۃ علمائے ہند دیوبندی مکتب فکر کی نمائندہ جماعت ہے۔جمیعۃ دو حصوں میں منقسم ہونے کے باوجود دہلی میں مضبوط نمائندگی رکھتی ہے۔آئی ٹی او پر واقع مسجد عبد النبی پر جمیعۃ علمائے ہند (میم) کا مرکزی دفتر ہے۔جہاں ایک میٹنگ ہال، دو سیمینار ہال، مرکزی دفتر، مہمان خانہ اور دس کشادہ کمرے ہیں، مسجد عبد النبی کے اکثر حصے پر محمود گروپ کا قبضہ ہے، اس لیے ارشد گروپ نے اپنا مرکزی آفس مسجد بھوری بھٹیاری بہادر شاہ ظفر روڈ کے قریب بنا رکھا ہے۔

جماعت اسلامی ہند بھی دہلی میں مضبوط اور مؤثر نمائندگی رکھتی ہے۔جامعہ نگر اوکھلا میں جماعت اسلامی کا دس ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل مرکزی دفتر ہے۔ جہاں مسجد، لائبریری، میٹنگ ہال، سیمینار ہال، مہمان خانہ جیسی سہولتیں میسر ہیں۔جمیعۃ اہل حدیث بھی جامعہ نگر اوکھلا میں تقریباً پانچ ہزار اسکوائر فٹ جیسی وسیع اراضی پر اپنا مرکزی دفتر لیے بیٹھی ہے۔ جہاں مہمان خانہ، سمینار ہال اور میٹنگ ہال جیسی سہولتیں میسر ہیں۔ان کے مقابل اہل سنت کے پاس مرکزی سطح کا کوئی دفتر ہے، نہ مہمان خانہ۔لائبریری، سیمینار ہال، میٹنگ ہال جیسے ضروری اداروں سے سنی بریلوی جماعت تقریباً پوری طرح خالی ہے۔

دو چند اداروں کے پاس محدود دائرے میں کچھ ہے بھی تو

* مضمون نگار جامعۃ الرضا بریلی شریف، یوپی کے سینئر استاذ ہیں۔

وہ ادارہ جاتی اور ذاتی نوعیت کا ہے۔ مرکزی سطح پر اہل سنت دہلی میں تہی دامن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر دہلی میں ملکی/غیر ملکی مہمان/علما/مشائخ آجائیں تو ہمارے پاس انہیں ٹھہرانے/میٹنگ کرنے/سیمینار یا مشاورت کے لیے کسی پرائیویٹ ہوٹل یا کسی صاحب ثروت کے مکان کی تلاش کرنا پڑتی ہے۔

یہ اس جماعت کا حال ہے جو مسلمانوں کی سب سے بڑی اکثریت پر مشتمل ہے، جس کے پاس عددی کثرت کے ساتھ ساتھ مالی وسائل کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس کے باوجود دارالحکومت جیسی جگہ پر ہماری نمائندگی نہیں ہے تو اسی سے ہماری ترجیحات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، نمائندگی کی اہمیت دہلی میں 170 سے زائد ممالک کے سفارت خانے ہیں۔ امریکہ/یوروپ/مسلم ممالک سے روابط یا کسی ضروری امر پر مشاورت کے لیے متعلقہ سفارت خانہ اور سفیر سے ملاقات ضروری ہوتی ہے۔ یوں تو ملاقات ملک کے کسی بھی کونے سے آ کر کی جا سکتی ہے لیکن کسی مکتب فکر کا مرکزی دفتر ہی دہلی میں ہو تو مختلف تعلیمی و سماجی امور کے بہانے ملاقاتوں کا سلسلہ بنا رہتا ہے۔ جس سے ملاقات رسمی نہ رہ کر مؤثر ہو جاتی ہے۔ تعلیمی و رفاہی امور میں اشتراک، کسی اہم معاملے پر اپنی حمایت کا اظہار اور کبھی کسی عالمی مسئلے پر اظہار خیال کے لیے ایسی ملاقاتیں بڑی اہم ہوا کرتی ہیں۔

دیگر مکاتب فکر کے افراد افطار/عید/سیمینار جیسے مختلف عناوین پر مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات کرتے رہتے ہیں، جس سے متعلقہ ملک میں ان کا تعارف ہوتا ہے۔ حکومت سے روابط استوار ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کا فائدہ خود ہمارے ملک میں بھی ہوتا ہے اور حکومتی سطح پر ایسی تنظیموں کا اثر و رسوخ بڑھتا ہے۔

□□□

ص ۶۸ رکا بقیہ ....

انحراف امام کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

" دعا قبلہ رو مانگنا آداب دعا سے ہے، مگر امام کو، اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ جنوباً یا شمالاً اور اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو شرقاً تحویل کرے، تا کہ مسلمانوں کو پشت نہ ہو، لان حرمة المسلم الواحد ارجح عند اللہ من حرمة الكعبة كما فی الغنية فی شرح المنية۔" (فتاویٰ مصطفویہ، ص 175)

لہٰذا ائمۂ کرام کو چاہیے کہ وہ اس مسئلہ میں محض رائج معمول یا عوامی روش کو معیار نہ بنائیں، بلکہ نصوص شرعیہ اور اکابر اہلِ سنت کی تصریحات کی روشنی میں اپنی اصلاح کریں۔ عبادات میں معمولی سی بے احتیاطی بھی قابلِ التفات ہوتی ہے، اس لیے سنت مطہرہ کے ہر تقاضے کو پوری دیانت و اہتمام کے ساتھ ادا کرنا ہی امام کی حقیقی زینت اور اس کی دینی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ ائمۂ اہلِ سنت کو سنت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل اتباع، فقہائے امت کے ارشادات پر استقامت اور ہر اس طرزِ عمل سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے جو خلافِ سنت یا خلافِ مطلوبِ شرع ہو، آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

□□□

ص ۸۰ رکا بقیہ ....

کہ تم غلط کر رہے ہو اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل میں اسے برا جانیے، لیکن خدا کے واسطے سوشل میڈیا پر اپنے مکاتب و مدارس کی رسوائی کا ذریعہ نہ بنئے، اللہ تعالیٰ ہمارے تمام مکاتب و مدارس کو ہر شر، فتنے اور فساد سے محفوظ رکھے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

□□□

ص ۸۹ رکا بقیہ ....

ابھی بھی کچھ باقی ہے (کہ جسے انجام دیا کروں؟) فرمایا: ہاں باقی ہے۔ (وہ تین کام ہیں)

(۱) ان کے لئے استغفار کرنا۔ (۲) ان کا عہد و پیمان نافذ کرنا۔ (۳) ان کے دوستوں کا کام، اکرام اور ان کے رشتہ داروں سے تعلق بنائے رکھنا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

.........جاری□□□

قارئین کرام
کو ماہِ رضا مبارک ہو

از: مولانا محمد عامر فضیل مرکزی*

ائمۂ کرام توجہ دیں

عصر حاضر میں بہت سے ائمۂ کرام کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد ہمیشہ فقط داہنی جانب انحراف کرتے ہیں، وہ بھی برائے نام یعنی بعد نماز بس تھوڑے ترچھے ہو جاتے، یعنی بعض مقتدی کی جانب سے پشت کا انحراف ہوتا ہے، جبکہ بعض کی جانب سے نہیں ہوتا، حالانکہ شریعتِ مطہرہ کو مطلوب مطلقاً انحراف بایں طور کہ کسی مقتدی کی طرف پشت نہ رہے، اس لئے ائمہ کو اس من مانی اور غلط روش سے باز آنا چاہیے، چنانچہ محدث عصر شیخ بریلوی بقیۃ السلف عمدۃ الخلف علامہ مفتی شیخ صالح رضوی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں:

"بھائیو! تمہیں معلوم ہو کہ اس حکم سے شرع کو اصل مطلوب یہ ہے کہ اب (بعد سلام) مقتدیوں کی طرف امام کی پشت نہ رہے اور یہ جبھی حاصل ہوگا جب پورا انحراف کرے گا، کیونکہ اب اسے امامت والی اپنی امتیازی شان برقرار رکھنے کی تدبیر زیبا نہیں۔ لہٰذا امام کو مقتدیوں کی طرف سے اپنی پیٹھ بالکل پھیر لینی چاہئے اور چاہئے کہ قوم کا ایک فرد دِکھے اور ان کا احترام اور لحاظ پاس کرے، طرز تواضع اختیار اور تفوق سے احتراز کرے۔ لہٰذا بعد سلام اس طرح رخ پھیر لے کہ اب کسی ایک بھی فرد کی طرف اس کی پیٹھ نہ ہو۔"

(منتخب فتوے، ص36)

اور دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں:

"جب یہ معلوم ہو لیا کہ مطلوب شرع ایسا انحراف ہے جس کے سبب مقتدیوں کی طرف سے امام کی پشت پھری رہے تو ان نادان اماموں کا یہ ادھورا انحراف (یعنی داہنی طرف کو ذرا سا ترچھا ہو جانا خواہ کسی مقصد کے تحت ہو یا یوں ہی محض، دیکھا دیکھی کے اثر سے بلا مقصد ہو) شرعاً کیوں کر درست؟ اور ادائے مطلوب کے لئے کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ ہرگز کافی نہیں ہوگا نہ ایسا کرنے کی کسی امام کو شرعاً چھوٹ (رخصت) مل سکتی ہے، یہ ڈھرا ان غافلوں کا بے شک غلط ہے، خلاف سنت ہے، مطلوب شرع سے کوسوں دور ہے، کیونکہ من چاہی روش ہے نہ کہ امتثال حکم شرع۔

بھائی! ہر ادا ہر جگہ مناسب نہیں ہوتی ہے، جہت مدینہ منورہ کا لحاظ اور اوقات میں (مثلاً درود شریف پڑھتے وقت یا سلام منظوم پڑھنے کی حالت میں) مناسب ہوتا ہے، جس کے استحباب و استحسان کی تصریح کتابوں میں مذکور و متقرر ہے۔ مگر امام کے لئے وقت انحراف یہ لحاظ والتزام روا نہیں، کیونکہ اس سے کار مسنون کی مخالفت لازم آ رہی ہے اور ادائے مطلوب سے چشم پوشی اور لاپرواہی بھی۔ تو! یہ غفلت، یہ بے حسی، یہ لاپرواہی اور بے اعتدالی اچھی نہیں۔ بہت مضر ہے، ایسے غافل اماموں کو پہلی فرصت میں اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔" (منتخب فتوے، ص38/39)

اور امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان انحراف امام کے متعلق فرماتے ہیں:

"بعد سلام قبلہ رو بیٹھا رہنا ہر نماز میں امام کو مکروہ ہے۔ شمال وجنوب ومشرق میں مختار ہے۔ مگر جب کوئی مسبوق اس کے محاذات میں اگرچہ اخیر صف میں نماز پڑھ رہا ہو تو مشرق کو یعنی جانب مقتدیان منہ نہ کرے۔ بہر حال پھرنا شرع کو مطلوب ہے اگر نہ پھرا اور قبلہ رو بیٹھا رہا تو مبتلائے کراہت وتارک سنت ہوگا۔" (فتاویٰ رضویہ قدیم، صفحہ 74 جلد 3)

اور سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بقیہ ص ۶۷ پر

*مضمون نگار تخصص فی الفقہ جامعۃ الرضا بریلی شریف کے طالب علم ہیں۔

از: محمد بلال احمد نظامی مجددی *

مکتب کے اساتذہ اور احساسِ کمتری

ایک دوست نے اپنے ہم سبق ساتھی کو فون کیا اور دریافت کیا کہ اس وقت کس کام میں مصروف ہیں؟ ساتھی (جو ایک مکتب کے استاد ہیں) نے جواب دیا: درس و تدریس میں! دوست نے پوچھا: کیا پڑھا رہے ہیں؟ جواب آیا: آج کل متن جلالین پڑھا رہا ہوں۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ناظرۂ قرآن یا مکتب کے بچوں کو پڑھا رہے تھے، مگر ایک دینی ادارے کے فارغ التحصیل عالم کو یہ کہنے میں جھجک محسوس ہوئی کہ وہ مکتب میں پڑھاتے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض علما مکتب میں پڑھانے کو کسرِ شان سمجھتے ہیں اور مکتب کے اساتذہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

نتیجتاً دو طرح کے اساتذہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں: وہ اساتذہ جو مجبوری میں مکتب سے وابستہ ہوتے ہیں اور دل سے اس کام کو اہم نہیں سمجھتے۔ وہ اساتذہ جو ذوق، شوق اور لگن کے ساتھ مکتب میں پڑھاتے ہیں، مگر معاشرے اور بڑے اداروں کی طرف سے انہیں وہ قدر و منزلت نہیں ملتی جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس احساسِ کمتری کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بڑے اداروں میں تدریس سے وابستہ بعض اساتذۂ مکاتب اور وہاں کے معلّمین کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، بلکہ کبھی کبھار غیر محسوس انداز میں ان کی حوصلہ شکنی کر دیتے ہیں۔

اسی دباؤ کے تحت مکتب کے اساتذہ ناظرۂ قرآن پڑھانے کے بجائے متن جلالین پڑھانے کا ذکر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، تاکہ کسی مجلس میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، حالانکہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آج کے شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الادب اور شیخ الحفاظ بھی انہی مکاتب سے گزر کر اس مقام تک پہنچے ہیں اور وہ طلبہ جو ان اکابر سے حدیث و تفسیر کا درس لیتے ہیں، انہی مکاتب کی دہلیز سے تعلیم کا سفر شروع کرتے ہیں۔

یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ مکتب کی آغوش میں تیار ہونے والا طالبِ علم ہی آگے چل کر بڑے اداروں کا سرمایہ بنتا ہے اور اس کے پیچھے مکتب کے معلم کی محنت کارفرما ہوتی ہے۔ مکتب کی تعلیم بچے کی دینی و اخلاقی زندگی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

جس طرح ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جسم میں توازن ممکن نہیں، اسی طرح مکتب کی تعلیم کے بغیر ایک مضبوط، باعمل اور باکردار مسلمان کی تشکیل ممکن نہیں ہے۔

یہی ابتدائی تعلیم قرآن سے محبت، نماز کی پابندی، حسنِ اخلاق اور صحیح عقائد کی بنیاد رکھتی ہے۔ مکتب کے اساتذہ نسلِ نو کو عقائد و اعمال کی روشنی سے آراستہ کر کے انہیں ارتداد اور بدعقیدگی کے طوفان سے محفوظ رکھتے ہیں اور یوں قوم میں نئی روح پھونکنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

اسی لیے ہمیں چاہیے کہ مکتب کے اساتذہ کو کمتر سمجھنے کے بجائے ان کے عظیم دینی کردار کو پہچانیں، ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں کہ یہ دراصل دین کی بنیادوں کی حفاظت ہے۔

مکتب کے اساتذہ بھی اپنے کام کو کمتر نہ سمجھیں بلکہ آپ اگر اخلاص نیت کے ساتھ صحیح انداز میں قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں تو آپ اس حدیث کے مصداق ہیں: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ۔

(رواہ البخاری، کتاب فضائل القرآن)

☐☐☐

* مضمون نگار رتلام مدھیہ پردیش کے متوطن ہیں۔

از: مولانا محمد اشرف رضا قادری*

معاشرے سے دینی رجحان کا خاتمہ! اسباب و علل

جب سے مغربیت اور فیشن پرستی کی مسموم ہوا چلی ہے، معاشرے سے دینی رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے۔ الحاد و بے دینی، فحاشی اور عریانیت کے فروغ میں شوشل میڈیا نے بڑا افسوسناک کردار ادا کیا ہے اور اس کے تدارک کے لیے جو مناسب اور حکمت بھرے اقدامات ہونے چاہیے، وہ ہم سے بر وقت نہیں ہو پائے، جس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ مغرب زدہ اور دین و مذہب سے دور ہوتا چلا گیا اور دینی رجحان ختم ہونے لگا۔

غرض کہ مادیت کی ہوا نے دین و روحانیت کی عمارتیں منہدم کر دیں اور ایسے نازک وقت میں ان کی تعمیر نو کے بجائے ہم صرف شکوہ و شکایت کا دفتر لے کر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرانے لگے، برائیوں کے خلاف جہاد بقدر استطاعت ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ صرف علما و مشائخ ہی اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہاں! وارثین انبیا ہونے کے ناطے ان کی ذمہ داریاں دوسرے سے کچھ زیادہ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

"مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ۔ تم میں سے جو برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اس برائی کو ختم کرے، اگر اس کی بھی قوت و استطاعت نہیں رکھتا ہو تو اپنے دل سے اس برائی کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

اس حدیث پاک میں علما و مشائخ کی قید نہیں ہے، بلکہ مطلق برائیوں کو مٹانے اور برائیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ حدیث پاک "ألا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ" کا بھی یہی مفہوم و مصداق ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے اور ذہن میں رکھنے کی ہے کہ باعتبارِ قوت و ضعف مسلمانوں کی تین قسمیں ہیں: [۱] اقویٰ یعنی با اختیار حکام و سلاطین [۲] قوی و اوسط یعنی علما و مشائخ و سرکردہ افراد [۳] اضعف یعنی عام مسلمان۔ پہلی قسم یعنی با اختیار حکام و سلاطین جو اپنی قوت و اختیار سے "منکر" یعنی برائی کو مٹا سکتے ہیں تو ان پر فرض ہے کہ وہ برائیوں کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دیں۔

قوی و اوسط درجے کے لوگ یعنی علما و مشائخ اور سماج کے سرکردہ افراد جو برائی کو اپنے ہاتھ سے تو نہیں مٹا سکتے مگر زبان سے برائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر سکتے ہیں تو ان پر ضروری ہے کہ زبان سے مناسب طریقے پر برائی کے خلاف جہاد کریں۔ تیسری قسم جو "اضعف" کہلاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ہاتھ سے برائی کو مٹانا تو درکنار زبان سے بھی منع نہیں کر سکتے تو ان پر فرض ہے کہ دل سے برائی کو برا جانیں۔ حالات دن بدن سنگین اور بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ لوگ دین سے دور ہو رہے ہیں اور معاشرے سے دینی رجحان ختم ہوتا جا رہا ہے۔

ایسے میں علما و مشائخ سمیت سماج کے ہر باشعور فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ برائیوں کے خلاف جہاد کریں۔ لوگوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کریں۔ عوام، علما اور مشائخ کی صحبت و قربت اختیار کریں اور علما و مشائخ بھی اپنے حجروں سے باہر تشریف لائیں، معاشرے کا جائزہ لیں۔ قوم کدھر جا رہی ہے، اس پر غور و فکر کریں اور اس کو راہِ راست پر لانے کی سعیِ بلیغ فرمائیں۔ وقت نکال کر ہفتے میں ایک دن یا دو دن گاؤں اور دیہات کا سفر کریں۔ لوگوں سے ملاقات کریں، ان کو دین کی باتیں بتائیں اور دین و مذہب سے قریب کریں۔ تعلیم اور بالخصوص دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت سے عوام کو واقف کرائیں۔

* مضمون نگار دو ماہی امین شریعت بریلی شریف کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

ممکن ہو سکے تو قوم کے ایک دو غریب بچوں کو اپنے ذمے لے لیں اور والدین کو اس بات کا یقین دلائیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے سارے اخراجات یا نصف اخراجات ہم برداشت کریں گے۔ بعد ازاں قوم کے مخیر حضرات سے مل کر ان غریب بچوں کی تعلیمی کفالت کا انتظام کروائیں۔ بچوں اور نوجوانوں کی اسلامی تعلیم وتربیت پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آج لاکھوں غریب اور یتیم بچے محض والدین کی غربت و افلاس اور ہماری بے توجہی کے سبب زیورِ تعلیم وتربیت سے آراستہ نہیں ہو پا رہے ہیں۔غرض کہ مسلم معاشرے میں دینی ماحول اور مذہبی فضا ہموار کرنے کے مختلف طریقے اور انگنت راستے ہیں، بس ان راستوں پر چلنے اور ان طریقوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

مسلم طبقہ کا رجحان مذہبی تعلیم سے ہٹ کر عصری تعلیم کو اپنی کامیابی وکامرانی کا محور تصور کرنا، آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟ آج پوری دنیا مادیت کے سیلاب میں بہہ رہی ہے، جس سے مسلم طبقہ بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ مادیت دراصل دنیا طلبی کا دوسرا نام ہے، جس میں حرص وہوس دنیا کمانے کی فکر زیادہ سے زیادہ مال وزر اکٹھا کرنے کی چاہت، دین بیزاری اور مذہب سے کنارہ کشی جیسے مناظر وعناصر دیکھنے کو ملتے ہیں، آج پوری دنیا میں تعلیم کو معاشیات سے جوڑ دیا گیا ہے اور تعلیم کا مقصد گویا کیریئر بنانا اور اپنے مستقبل کو روشن اور خوش گوار بنانا فرض کر لیا گیا ہے۔

آج چوں کہ مسلمان اپنی جہالت ونادانی بے حسی وعیش کوشی اور اپنی بداعمالیوں کے سبب عالمی سطح پر درماندہ اور پسماندہ قوم تصور کیے جاتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ دینی تعلیم سے کوئی بڑا عہدہ اچھی ملازمت یا بلند مقام و منصب حاصل نہیں کیا جا سکتا اور وہ اسی خوف اور مفروضے کو بنیاد بنا کر عصری تعلیم کو اہمیت دے رہے ہیں اور اسی کو اپنی کامیابی و کامرانی کا محور گردان رہے ہیں۔ مذہبی تعلیم سے مسلم طبقہ کے رجحان ختم ہونے کی یہ ایک بڑی وجہ ہے۔ دینی وعصری تعلیم کی تفریق نے بھی مسلم طبقہ کو دینی تعلیم سے دور اور عصری تعلیم سے قریب کر دیا ہے۔

بالعموم دیکھا یہ جا رہا ہے کہ مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ طلب معاش اور حصولِ روزگار کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں اور نہایت کم اور معمولی تنخواہوں پر امامت وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ چیز بھی ایک بڑے مسلم طبقہ کے ذہنوں میں کھٹکتی ہے اور نتیجتاً وہ دینی تعلیم کو حصولِ ترقی اور تلاشِ معاش میں رکاوٹ سمجھتا ہے اور دینی تعلیم سے منہ موڑ کر عصری تعلیم کی طرف لپکتا ہے۔ باقی آج مجموعی طور پر مسلمان دین و مذہب اور تعلیم وتعلم سے دوری بنائے ہوئے ہیں، اب اگر وہ دینی تعلیم سے بھی کنارہ کشی اختیار کریں تو اس میں حیرت و استعجاب کی بات کیا ہے۔

آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مدارس کے نصابِ تعلیم کا از سر جائزہ لیا جائے اور طلبۂ مدارس کو تعلیم کے ساتھ کوئی ہنر (Skill) بھی سکھایا جائے، تاکہ فراغت کے بعد انہیں حصولِ روزگار کے لیے در در کی خاک نہ چھاننا پڑے اور مسلم سماج کے ماڈرن طبقہ پر اس کے منفی اثرات مرتب نہ ہوں۔

ص ۹۸ رکا بقیہ.........

بہ فیض حضرت احمد رضا وہ فقہ وافتا میں
مکمل ہو گیا عسجد رضا تاج الشریعہ کا

ہیں عسجد قادری ان کے سعادت مند شہزادے
یقیناً ان کا بھی ہے سلسلہ تاج الشریعہ کا

رضا و مصطفےٰ کے باغیوں کو ٹھیک کر دیں گے
لئے تیار ہیں عسجد عصا تاج الشریعہ کا

نہیں ہے صلح کلی تو تذبذب میں پڑا کیوں ہے
بریلی چل ابھی جھنڈا اٹھا تاج الشریعہ کا

شب عرسِ چہلم میں ہے کتنی شان سے دیکھو
میاں عسجد جو سجادہ بنا تاج الشریعہ کا

نہیں ہے اس میں کوئی شک ذرا اے نعمت رضوی
ہوا دل سے جو عسجد کا ہوا تاج الشریعہ کا

□□□

از: حفیظ علیمی گونڈوی*

مسلمان! غلامی سے غلامی تک

غلامی وہ منحوس شئے ہے جو انسان کی ہر قسم کی آزادی، حقوق اور خوشیاں سلب کرلیتی ہے، حساس ہوتے ہوئے بھی انسان جانور سے بدترین زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے، دنیا! آقائی اور غلامی کی روایت پر صدیوں سے چلتی آرہی ہے اور شاید اس نحوست سے رستگاری و خلاصی ناممکن ہے۔

ہم بات کرنے والے ہیں وطن عزیز کے مسلمانوں کی، جہاں صدیوں سے کفر و شرک کے ماحول میں راجا پرجا اور غلامی و آقائی کی ایک مستقل روایت تھی، ظلم و بربریت ہر قدم ارتقائی مراحل طے کر رہے تھے، ایسی انسانیت سوز درندگی تھی کہ جس کے تصور سے دل تھرا جاتا ہے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ملک عزیز میں مسلم مجاہدین کے ذریعہ مسلم حکمرانی کی بنیاد پڑی، جس نے ملک کی سسکتی آہوں کی فریادرسی کی، چشم پرنم کو امید و یقین کی روشنی دکھائی، لغزیدہ دلوں میں ہمت اور فکری انحطاط میں وسعت کا تاج محل تعمیر کر دیا۔

نتیجتاً! ملک عزیز مساوات و مواخات کے طرز پر آگے بڑھنے لگا، جس سے ہر جانب امن و آشتی اور پیار و محبّت کی پر کیف فضا قائم ہوگئی، لیکن برا ہو غفلت، عیاشی اور نوابی کا! جس نے مسلم حکمرانی کی بیخ کنی کے منفی کردار سے ملک و قوم کو ایک بار پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا، اب کی غلامی نہایت دل سوز اور روح فرساں تھی، جس سے مسلمان اضطرابی کیفیت سے دو چار ہو رہے تھے، پھر کیا تھا غلامی کی زنجیر ٹوٹنی تھی مگر مسلمانوں کے خون سے اور ایسا ہی ہوا کہ فرنگیوں سے جنگ آزادی لڑی گئی، ہندوؤں کے بلی دان کے ساتھ لاکھوں مسلمان بھی شہید ہوئے، جن میں کئی ہزار علما کی حوصلہ مند شہادتیں بھی شامل ہیں (بدقسمتی سے جن کی والہانہ قربانیوں کو مسلمانوں نے خود فراموش کر دیا) اگر یہ علما اور عوام بھی بزدلی اور حکمت و مصلحت کی چادر اوڑھ لیے ہوتے تو ملک عزیز آزادی کی صبح دیکھنے سے محروم رہ جاتا۔

مسلمانوں کے ایمانی، ایقانی، جذباتی اور دھار دار لہو کی گرمی سے غلامی کی زنجیر تو کٹی لیکن شومئ قسمت کہیں یا مسلم لیڈر شپ کی بیوقوفی! کہ ملک عزیز میں تقسیم ہند کی آواز بلند ہونے لگی، ملک چلانے کے لیے آر ایس ایس اپنی تھیری اور مسلم لیگ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی ضد ٹھان لی، البتہ ملک تو آزاد ہوا لیکن ہندو مسلم تقسیم (ہندوستان/ پاکستان) کی جابرانہ و احمقانہ غلطی سے ہندوستانی مسلمان ایک بار پھر شش جہتی غلامی کی زنجیروں میں بندھ گیا۔

آج اسی برس ہونے کو ہیں لیکن غلامی سے آزادی حاصل کرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آرہی ہے بلکہ روز بروز مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہوتا جا رہا ہے، معاشی، اقتصادی، تعلیمی، معاشرتی اور ملی و مذہبی ہر قسم کے امور کی انجام دہی ایک خطرناک نتائج کی طرف ڈھکیلتے دکھ رہی ہے، جانوروں کی طرح کسی بھی مقام پر ذبح کر دیا جا رہا ہے، اسفار میں لنچنگ جیسے خوف ناک و دل دوز واقعات سے دماغی توازن بگڑنے لگتا ہے، مساجد و مدارس نیز دیگر دینی، ملی اور ثقافتی مقامات سمیت گھروں کی انہدامی کارروائی سے غلامی کی زنجیر مزید مضبوط ہوتی جا رہی ہے، ڈٹینشن سینٹر تو کجا ہمارے گھروں میں ہی ہمارے انحصار و انسداد کی ترکیب و تحریک تیز ہے۔

ایسے غلامانہ ماحول میں بھی ہمارے کچھ احباب کہتے ہیں کہ ہمیں کسی بھی طور اپنی آزادی کے تحفظ اور حقوق کی بقا کے لیے لڑنا ہوگا ورنہ غلامی کی زندگی ہمارا مقدر بن جائے گی، میرا اپنا ماننا ہے کہ ہم غلامی ہی کی زندگی گزار رہے ہیں بقیہ ص ۶۵ / پر

* مضمون نگار ممبئی کے مکین ہیں۔

از: جاوید چودھری*

دنیا کی پہلی خوشبو فیکٹری اور مسلمان

آپ جانتے ہوں گے کہ پیرس کو خوشبوؤں کا شہر کہا جاتا ہے، ان خوشبوؤں کا مین سورس فرانس میں موجود ایک قصبہ ہے جس کو Grasse گراس کے نام سے جانا جاتا ہے جس کو کیپٹل آف فریگنینٹ یعنی خوشبوؤں کا دارالحکومت بھی کہتے ہیں، اسی گاؤں میں دنیا کی سب سے پہلی خوشبوؤں کی فیکٹری ہے جو 1747ء میں قائم ہوئی، اس فیکٹری کے بننے اور اس قصبے کو خوشبوؤں کا دارالحکومت کہلانے کے پیچھے مسلمانوں کی ایک دلچسپ داستان ہے۔

آج اپنے دوستوں کو اس دلچسپ داستان کے بارے میں بتاتے ہیں امید ہے، آپ کے علم میں ضرور اضافہ ہوگا، گراس جنوبی فرانس کا قدیم قصبہ ہے، یہ قصبہ نیس، کینز اور مونٹی کارلو کے ہمسائے میں واقع ہے، الپس یہاں سے شروع ہوتے ہیں، آپ چند میل کا فاصلہ طے کر کے الپس کے پہاڑوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پندرہویں صدی میں اسپین میں مسلمانوں کی حکومت تھی، یہ لوگ سماجی لحاظ سے انقلابی تھے، انہوں نے یورپ میں ٹائی بھی متعارف کرائی، سوپ بھی، کرسٹل بھی، پیراشوٹ بھی اور علاج کے جدید طریقے بھی، مسلمان تاجر اور سیاح عموماً مونٹی کارلو، نیس اور کینز سے گزرتے تھے، کیوں گزرتے تھے؟

کیونکہ یہاں سمندر ہے، یہ لوگ کشتیوں کے ذریعہ اس علاقے میں پہنچ جاتے تھے اور دوسری وجہ اس علاقے کا موسم تھا یہ علاقہ نسبتاً گرم ہے، یہاں گرمیوں میں شدید گرمی پڑتی ہے اور عرب گرم علاقوں کو پسند کرتے تھے، پندرہویں اور سولہویں صدی کے درمیان عرب گراس میں یاسمین کے بیج لے آئے، یہ بیج انہوں نے علاقے کے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، لوگوں نے یہ بیج زمین میں بو دیئے۔

یہ زمین گویا صدیوں سے یاسمین کے بیجوں کا انتظار کر رہی تھی، چنانچہ زمین پر بیج گرنے کی دیر تھی اور پورا علاقہ یاسمین کی خوشبو سے مہک اٹھا' لوگ حیران رہ گئے، لیونڈر اس علاقے میں صدیوں سے اُگ رہا تھا' یاسمین کی خوشبو لیونڈر کی مہک میں ملی تو گراس خوشبوؤں کی سرزمین بن گیا، سیاح جوں ہی گراس کے قریب پہنچتے تھے یہ مست ہو جاتے تھے۔

زمین کی اس تاثیر نے عربوں اور مقامی لوگوں کو کاروبار کا نیا راستہ دکھایا، یہ لوگ پھولوں کی مختلف اقسام اگانے لگے، یہ جو بھی قلم لگاتے تھے یا جو بھی بیج بوتے تھے وہ دو ماہ میں جوان ہو کر خوشبو دینے لگتا تھا، لوگوں کو کاروبار مل گیا، یہ پھولوں اور خوشبوؤں کے بیوپاری بن گئے، یہ پھول اگاتے، پھول چنتے، انہیں سوکھاتے اور بوریوں میں بھر کر بیچ دیتے، گراس سے پھولوں کے جہاز کے جہاز جانے لگے۔

اس دوران مقامی لوگوں کو معلوم ہوا، پھول لے جانے والے تاجر بعد ازاں پھولوں کا "سَت" ایک قسم کا رَس نکالتے ہیں اور اس ست سے صابن، شیمپو اور عطر بناتے ہیں، ان لوگوں نے سوچا یہ تمام کام ہم خود کیوں نہیں کرتے؟ یہ لوگ مصر' الجزائر' مراکش اور قرطبہ گئے، پھولوں کا ست نکالنے کا فن سیکھا اور گراس واپس آ کر اس شہر کو خوشبوؤں کا مسکن بنا دیا، یہ لوگ پھولوں کا ست نکالنے لگے، پھولوں کا ست عمل کشید کے ذریعے نکالا جاتا ہے، یہ عمل بھی مسلمانوں کی ایجاد ہے، گراس میں کاپر کے بڑے بڑے حمام بنائے گئے، ان کے ساتھ شیشے کی بڑی بڑی ٹیوبز لگائی گئیں اور ان ٹیوبز کو ٹھنڈے پانی کے حوضوں سے جوڑا گیا اور گراس پرفیومز کا دارالحکومت بن گیا۔

یہ فن آہستہ آہستہ پورے علاقے میں پھیل گیا، گراس کے تمام دیہات اور ان دیہات کے تمام لوگ خوشبوؤں کے فنون سے

وابستہ ہوتے چلے گئے، یہ پھول اگاتے، ان کا عطر بناتے اور بیچ دیتے، یہ خوشبودار صابن، شیمپو، اگربتیاں اور مہکتی ہوئی موم بتیاں بھی بنانے لگے، یوں یہ علاقہ خوشبو کا مرکز بنتا چلا گیا، شہر میں لیبارٹریاں بنیں لیبارٹریوں میں خوشبوؤں کے ماہر آئے، ماہرین نے مختلف خوشبوئیں ملا کر نئی نئی خوشبوئیں ایجاد کیں اور یوں خوشبوؤں کے برانڈ بنتے چلے گئے، شیشہ سازوں نے گراس کا رخ کیا اور یہ خوشبوؤں کی خوبصورت بوتلیں بنانے لگے، یہ بوتلیں پیکنگ کی انڈسٹری کو گراس لے آئیں اور یوں یہ بزنس پھیلتا چلا گیا۔

اس دوران علاقے میں چمڑہ رنگنے کی انڈسٹری لگی، ٹینریز لگیں اور یہ چمڑہ اٹلی کے شہروں ٹیورن، پیسا اور فلورینس میں بکنے لگا، اس چمڑے کے دستانے، جوتے اور پرس بنتے تھے، یہ تینوں چیزیں دیکھنے میں خوبصورت لگتی تھیں لیکن ان میں چمڑے کی بو آتی تھی، چمڑے کی صنعت نے گراس کی خوشبو کی انڈسٹری کو بہت متاثر کیا لیکن پھر گراس کے چند فنکاروں نے ایک ایسی خوشبو بنا لی جو چمڑے کی بدبو کو خوشبو میں بدل دیتی تھی اور خواتین جب دستانے اتارتی تھیں تو ان کے ہاتھوں سے بدبو کی بجائے خوشبو آتی تھی، اس ایجاد نے گراس کی خوشبو انڈسٹری کو ''بوسٹ'' دیا اور یہ دیکھتے ہی دیکھتے علاقے کی سب سے بڑی انڈسٹری بن گئی۔

1747ء میں گراس میں پرفیوم کی پہلی فیکٹری لگی، اس کا نام گالی مارڈ (Galli Mard) تھا، یہ آج بھی قائم ہے اور یہ دنیا کی پہلی پرفیوم فیکٹری ہے، 1849ء میں دوسری فیکٹری لگی، اس کا نام مولی نارڈ (Moli Nard) تھا اور 1926ء میں فراگونارڈ (Fragonard) کے نام سے تیسری فیکٹری لگی، گراس میں اس وقت 60 فیکٹریاں ہیں، ان فیکٹریوں میں ساڑھے تین ہزار لوگ کام کرتے ہیں جبکہ دس ہزار لوگ خوشبو کی صنعت سے وابستہ ہیں، حکومت نے 1989ء میں گراس میں خوشبو کا عجائب گھر بنایا۔

اس میوزیم میں خوشبو کی صنعت سے وابستہ پانچ ہزار اشیا رکھی گئی ہیں، گراس میں پرفیوم کالج بھی ہے، اس کالج میں ہر سال صرف 16 طالب علموں کو داخلہ ملتا ہے، پوری دنیا سے لوگ اپلائی کرتے ہیں، ان میں سے صرف 16 لڑکوں اور لڑکیوں کو داخلہ ملتا ہے، آپ ان 16 لوگوں کے معیار کا خود اندازہ لگا لیجئے، یہ کیسا کالج ہوگا۔

یہ شہر خوشبو کے خام مال کا مرکز ہے، یہ لوگ پھولوں کا ست اور رس بیچتے ہیں، یہ کتنی بڑی اور قیمتی انڈسٹری ہے، آپ اس کا اندازہ صرف ایک چیز سے لگا لیجئے، گراس سے گلاب کے پھولوں کا ست ملتا ہے، آپ اگر یہ ست خریدنا چاہیں تو آپ کو ایک لیٹر کے 42 لاکھ روپے ادا کرنا پڑتے ہیں، یہ غیر معمولی رقم ہے لیکن آپ یہ اندازہ بھی لگائیے، اس ایک لیٹر ست سے گلاب کے کتنے پرفیوم بنتے ہوں گے؟ اس سے گلاب کی پرفیوم کی دو لاکھ بوتلیں بنتی ہیں اور آپ اگر ایک بوتل ہزار روپے میں فروخت کریں تو آپ منافع کا اندازہ خود لگا لیجئے۔

خوشبو ایک حساس اور نازک سائنس ہے، آپ کو کبھی کسی پرفیوم لیبارٹری میں جانے کا اتفاق ہو تو آپ وہاں موجود لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ جائیں گے، یہ لوگ دن کا زیادہ تر وقت خوشبو میں گزارتے ہیں، یہ سگریٹ اور شراب نہیں پیتے، ان کی یادداشت غیر معمولی ہوتی ہے۔

یہ ایک خوشبو سونگھتے ہیں، پھر اسے ذہن کے ایک خانے میں محفوظ کرتے ہیں، پھر دوسری خوشبو سونگھتے ہیں، اسے دوسرے خانے میں محفوظ کرتے ہیں اور پھر ذہن میں موجود دونوں خوشبوؤں کو ملا کر نئی خوشبو بناتے ہیں۔

ان لوگوں کو یہ نئی خوشبو باقاعدہ محسوس ہوتی ہے، یہ اس کے بعد ریشم کے رومال پر دونوں خوشبوئیں ملاتے ہیں، رومال کو ہوا میں لہراتے ہیں اور اپنی ایجاد کردہ نئی خوشبو کو محسوس کرتے ہیں، یہ اس وقت تک دونوں خوشبوؤں کو مختلف مقدار میں ملاتے رہتے ہیں جب تک انہیں ہوا میں وہ خوشبو محسوس نہیں ہوتی جو ماہرین کے ذہن میں ہوتی ہے۔

□□□

احوالِ قوم و ملت

مذہبی وراثت پر بلڈوزر؟ جمہوری قدروں کا امتحان

از: حافظ افتخار احمد قادری*

ہندوستان صدیوں سے مختلف مذاہب، تہذیبوں اور ثقافتوں کا حسین گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین کی شناخت صرف اس کی جغرافیائی وسعت یا سیاسی تاریخ سے نہیں بلکہ اس کے اس تکثیری مزاج سے بھی ہے جس نے مختلف مذہبی اور ثقافتی اکائیوں کو اپنے اندر سمو رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی تہذیب کو اکثر گنگا جمنی تہذیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جہاں مختلف عقائد کے ماننے والے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے، جیتے اور اپنی مذہبی روایات کو محفوظ رکھتے آئے ہیں۔ تاہم گزشتہ چند برسوں سے ملک کے مختلف حصوں میں ایسے واقعات مسلسل سامنے آرہے ہیں جنہوں نے اس تاریخی ہم آہنگی اور مذہبی رواداری کے تصور کو شدید سوالات کی زد میں لا کھڑا کیا ہے۔

حالیہ دنوں میں ملک کے مختلف علاقوں میں مساجد، مدارس، عیدگاہوں اور درگاہوں کے خلاف ہونے والی انہدامی کارروائیوں نے ایک نئی بحث کو جنم دیا ہے، گزشتہ تقریباً پینتالیس دنوں کے دوران متعدد ریاستوں میں مسلم مذہبی مقامات کو بلڈوزروں کے ذریعے منہدم کیے جانے کی اطلاعات نے نہ صرف ملک کے اندر بلکہ عالمی سطح پر بھی تشویش پیدا کی ہے۔ ان واقعات نے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ آخر ہندوستان میں مذہبی آزادی، اقلیتوں کے آئینی حقوق اور تاریخی ورثے کے تحفظ کی موجودہ صورت حال کیا ہے اور آیا یہ انہدامی مہم واقعی محض تجاوزات کے خاتمے کی کارروائیاں ہیں یا ان کے پس منظر میں کوئی وسیع تر سیاسی اور سماجی تناظر بھی موجود ہے۔

ان کارروائیوں کا سب سے زیادہ تشویشناک پہلو یہ بتایا جا رہا ہے کہ کئی مقامات پر صدیوں پرانے مذہبی ڈھانچوں کو اس انداز میں منہدم کیا گیا کہ مقامی افراد کو اپنی قانونی پوزیشن واضح کرنے یا عدالت سے رجوع کرنے کا مناسب موقع تک نہیں دیا گیا۔ انسانی حقوق کے کارکنان اور سماجی تنظیموں کا دعویٰ ہے کہ متعدد معاملات میں نہ تو مناسب نوٹس جاری کیے گئے اور نہ ہی قانونی تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کیا گیا، اگر یہ دعوے درست ہیں تو یہ صرف ایک مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی اور شہری حقوق کا معاملہ بھی بن جاتا ہے۔

دہلی سے شروع ہونے والی یہ بحث اس وقت مزید شدت اختیار کر گئی جب منگول پوری کے علاقے میں واقع ایک قدیم درگاہ کے بڑے حصے کو منہدم کر دیا گیا۔ مقامی افراد کے مطابق یہ مقام کئی نسلوں سے عقیدت مندوں کا مرکز رہا تھا اور اس سے علاقے کی مذہبی و ثقافتی تاریخ وابستہ تھی۔ انہدام کے بعد نہ صرف مقامی آبادی میں بے چینی پیدا ہوئی بلکہ سوشل میڈیا اور مختلف سماجی حلقوں میں بھی اس واقعہ پر شدید ردعمل سامنے آیا۔ اسی دوران دہلی کے ہی ایک دوسرے علاقے میں زیر تعمیر مدرسے کی دیوار کو منہدم کیے جانے کی خبر نے اس بحث کو مزید وسعت دی۔

ہریانہ، مہاراشٹر، اتر پردیش، راجستھان اور گجرات جیسے صوبوں میں بھی یکے بعد دیگرے اسی نوعیت کے واقعات رونما ہوئے۔ ان میں بعض مقامات ایسے تھے جو کئی دہائیوں بلکہ بعض صورتوں میں صدیوں پر محیط تاریخ رکھتے تھے۔ جب کوئی عمارت صرف اینٹ اور پتھر کا مجموعہ نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ کسی علاقے کی اجتماعی یادداشت، ثقافتی شناخت اور مذہبی وابستگی جڑی ہوئی ہو تو اس کا انہدام محض ایک تعمیراتی کارروائی نہیں رہتا بلکہ ایک جذباتی اور سماجی مسئلہ بن جاتا ہے۔

مساجد اور درگاہوں کے انہدام کے خلاف احتجاج کرنے والوں کا بنیادی استدلال یہ ہے کہ اگر کسی ڈھانچے کی قانونی حیثیت

مضمون نگار کریم گنج، پورن پور، ضلع پیلی بھیت، یوپی کے متوطن ہیں۔

متنازع بھی ہو تو اس کا فیصلہ عدالتوں اور قانونی اداروں کے ذریعہ ہونا چاہیے نہ کہ اچانک بلڈوزر کارروائیوں کے ذریعہ، ان کے مطابق قانون کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فریق کو اپنا موقف پیش کرنے اور اپنی ملکیت یا حق کے ثبوت فراہم کرنے کا موقع دیا جائے۔

اس کے برعکس انتظامیہ کا موقف اکثر یہ سامنے آتا ہے کہ کارروائیاں تجاوزات کے خاتمے یا عوامی منصوبوں کی تکمیل کے لیے ناگزیر تھیں۔ یہی اختلاف دراصل موجودہ تنازعے کا مرکزی نکتہ بن چکا ہے۔ ایک طرف حکومت اور متعلقہ ادارے ان اقدامات کو قانونی اور انتظامی ضرورت قرار دیتے ہیں جبکہ دوسری طرف متاثرہ افراد اور حقوق انسانی کی تنظیمیں انہیں امتیازی رویے کی مثال کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر قانون سب کے لیے یکساں ہے تو پھر انہدامی کارروائیوں کے انتخاب کا معیار کیا ہے؟ یہی سوال عوامی مباحثوں، عدالتی مقدمات اور بین الاقوامی حلقوں میں بار بار اٹھایا جا رہا ہے۔

اتر پردیش میں پیش آنے والے بعض واقعات نے اس بحث کو مزید حساس بنا دیا ہے، صوبہ گزشتہ کئی برسوں سے "بلڈوزر سیاست" کی اصطلاح کے ساتھ جوڑا جاتا رہا ہے۔ حکومت کی جانب سے اسے قانون شکن عناصر کے خلاف سخت کارروائی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ ناقدین کا کہنا ہے کہ بعض مواقع پر اس کا استعمال سیاسی اور سماجی پیغام رسانی کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ جب مذہبی مقامات اس عمل کا حصہ بنتے ہیں تو مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں عقیدے، شناخت اور جذبات کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔

وارانسی میں ایک قدیم مسجد کے انہدام اور دوسری تاریخی مسجد کو نوٹس دیئے جانے کے واقعات نے خاصی توجہ حاصل کی۔ وارانسی ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اور اس کی تہذیبی شناخت مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے ملاپ سے بنی ہے۔ ایسے شہر میں کسی بھی تاریخی مذہبی عمارت کا مستقبل صرف مقامی معاملہ نہیں رہتا بلکہ قومی سطح کی بحث کا موضوع بن جاتا ہے۔

راجستھان میں ایک مسجد کے انہدام کے دوران سیکورٹی کے غیر معمولی انتظامات اور انٹرنیٹ خدمات کی معطلی نے بھی کئی سوالات کو جنم دیا۔ ناقدین کا کہنا تھا کہ اگر کارروائی مکمل طور پر قانونی اور غیر متنازع تھی تو پھر اتنی وسیع انتظامی تیاریوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ دوسری جانب انتظامیہ کا موقف تھا کہ امن و امان برقرار رکھنے کے لیے یہ اقدامات ضروری تھے، حقیقت جو بھی ہو، اس نوعیت کے واقعات عوامی اعتماد کو متاثر کرتے ہیں اور مختلف طبقات کے درمیان فاصلوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

مہاراشٹر اور گجرات میں درگاہوں اور قبرستانوں کے خلاف کارروائیوں نے بھی مذہبی حلقوں میں گہری بے چینی پیدا کی۔ درگاہیں برصغیر کی مشترکہ تہذیبی روایت کا اہم حصہ سمجھی جاتی ہیں، ان مقامات پر صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مختلف مذاہب کے افراد بھی حاضری دیتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی درگاہ کے انہدام کو محض ایک مذہبی مقام کے خاتمے کے طور پر نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسے ایک ثقافتی علامت کے زوال کے طور پر بھی محسوس کیا جاتا ہے، اس معاملے کا ایک اہم پہلو عالمی ردعمل بھی ہے۔ بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیمیں مسلسل ان واقعات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی بھی جمہوری ملک کی اصل طاقت اس کی اکثریت نہیں بلکہ اس کے اقلیتوں کے ساتھ برتاؤ سے ظاہر ہوتی ہے، اگر کوئی اقلیتی طبقہ خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگے تو یہ جمہوری نظام کے لیے ایک سنجیدہ چیلنج بن جاتا ہے۔

واشنگٹن سمیت مختلف عالمی مراکز میں موجود انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان واقعات پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے ہندوستانی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مذہبی مقامات کے خلاف کسی بھی کارروائی میں مکمل شفافیت، عدالتی نگرانی اور قانونی تقاضوں کی پابندی کو یقینی بنایا جائے۔ ان تنظیموں کا خیال ہے کہ قانون کی عملداری اور شہری حقوق کے احترام کے درمیان توازن برقرار رکھنا ہر جمہوری حکومت کی ذمہ داری ہے۔

آئینی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان کا دستور ہر شہری کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ آرٹیکل 25 ہر فرد کو اپنے

مذہب پر عمل کرنے، اس کی تبلیغ کرنے اور مذہبی رسومات ادا کرنے کا حق دیتا ہے۔ اسی طرح آئین کا بنیادی ڈھانچہ مذہبی مساوات اور سیکولر اصولوں پر قائم ہے۔ اس لیے جب کسی مذہبی مقام کے انہدام کا معاملہ سامنے آتا ہے تو اس کی قانونی حیثیت کے ساتھ ساتھ اس کے آئینی مضمرات بھی زیر بحث آجاتے ہیں، سماجی ماہرین کا کہنا ہے کہ ایسے واقعات کا سب سے گہرا اثر اقلیتی طبقے کے نفسیاتی احساسِ تحفظ پر پڑتا ہے۔ جب کسی کمیونٹی کو یہ محسوس ہونے لگے کہ اس کی مذہبی شناخت یا تاریخی وراثت خطرے میں ہے تو اس کے اندر بے اعتمادی اور خوف پیدا ہونا فطری امر ہے۔ یہ کیفیت نہ صرف سماجی ہم آہنگی کو متاثر کرتی ہے بلکہ قومی یکجہتی کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔

اس تناظر میں میڈیا کا کردار بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، میڈیا اگر متوازن، تحقیقی اور ذمہ دارانہ رپورٹنگ کرے تو عوام کو حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر معاملات کو سیاسی یا مذہبی تعصب کے چشمے سے پیش کیا جائے تو کشیدگی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسے حساس معاملات میں حقائق، شواہد اور قانونی نکات کو ترجیح دی جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی تاریخ صرف اکثریت یا اقلیت کی تاریخ نہیں بلکہ مشترکہ وراثت کی تاریخ ہے۔ مساجد، مندروں، گرجا گھروں، گردواروں اور درگاہوں نے مل کر اس تہذیب کو تشکیل دیا ہے جس پر آج کا ہندوستان فخر کرتا ہے۔ اگر اس مشترکہ ورثے کے کسی حصے کو نقصان پہنچتا ہے تو درحقیقت پوری قومی تاریخ متاثر ہوتی ہے۔ موجودہ صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ حکومت، عدلیہ، سول سوسائٹی اور مذہبی قیادت مل بیٹھ کر ایسے معاملات کے حل کے لیے ایک واضح اور منصفانہ طریقۂ کار وضع کریں۔ قانونی تنازعات کا حل عدالتوں میں ہونا چاہیے، تاریخی ورثے کے تحفظ کو ترجیح دی جانی چاہیے اور کسی بھی مذہبی طبقے کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ اسے الگ تھلگ یا نشانہ بنایا جارہا ہے۔

جمہوریت کی اصل روح طاقت کے استعمال میں نہیں بلکہ انصاف کے قیام میں مضمر ہوتی ہے۔ ریاستیں بلڈوزروں سے عمارتیں تو گرا سکتی ہیں لیکن اعتماد، ہم آہنگی اور بھائی چارے کی تعمیر صرف انصاف، مساوات اور باہمی احترام کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ ہندوستان کی کامیابی بھی اسی میں ہے کہ وہ اپنی تکثیری شناخت، آئینی اقدار اور مشترکہ تہذیبی وراثت کو محفوظ رکھے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو نقصان صرف کسی ایک کمیونٹی کا نہیں بلکہ پورے ملک کے سماجی تانے بانے کا ہوگا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام فریق جذبات کے بجائے قانون، انصاف اور مکالمے کی راہ اختیار کریں۔ مذہبی آزادی، تاریخی وراثت کے تحفظ اور آئینی مساوات کے اصولوں کو مضبوط بنانا ہی وہ راستہ ہے جو ہندوستان کو ایک مستحکم، پرامن اور ہم آہنگ مستقبل کی طرف لے جاسکتا ہے۔ یہی ایک جمہوری معاشرے کی پہچان بھی ہے اور اسی میں قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت پوشیدہ ہے۔

جمہوریت کا امتحان

ہندوستان کی جمہوریت اس وقت ایک ایسے نازک دوراہے پر کھڑی ہے جہاں ہر آئینی ادارے کے کردار، نیت اور عمل پر سوالات اٹھ رہے ہیں۔ انتخابی سیاست اب محض عوامی خدمت یا نظریاتی کشمکش تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ ایک ایسی جنگ کی صورت اختیار کرچکی ہے جس میں اقتدار کے حصول کے لیے آئینی ضابطوں کی تشریح بھی طاقت کے توازن کے مطابق کی جارہی ہے۔

اسی پس منظر میں جب کوئی منتخب عوامی نمائندہ براہِ راست عدلیہ کے دروازے پر دستک دیتا ہے تو یہ ایک قانونی معاملہ نہیں رہتا بلکہ جمہوری روح کے مستقبل کا سوال بن جاتا ہے۔ گزشتہ 4 فروری کو سپریم کورٹ آف انڈیا میں مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ممتا بنرجی کی پیشی نے ملک بھر کی سیاسی فضا میں ایک نئی سنجیدگی پیدا کردی۔ معاملہ الیکشن کمیشن آف انڈیا کی جانب سے ووٹر لسٹ کی خصوصی گہری نظر ثانی سے متعلق تھا لیکن اس کیس کی نوعیت صرف انتخابی فہرستوں کی جانچ تک محدود نہیں رہی بلکہ یہ سوال اب اس بات پر آٹھہرا ہے کہ آیا جمہوریت کے بنیادی ستون

یعنی ووٹ کے حق کو واقعی محفوظ رکھا جا رہا ہے یا اسے خاموشی سے کمزور کیا جا رہا ہے؟

اس پورے معاملے میں سب سے غیر معمولی اور تاریخی پہلو یہ تھا کہ ممتا بنرجی نے خود سپریم کورٹ میں کھڑے ہو کر اپنے دلائل پیش کیے۔ سپریم کورٹ کی تاریخ میں کسی برسرِ اقتدار وزیرِ اعلیٰ کا اس طرح ذاتی طور پر مقدمہ لڑنا شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ یہ قدم اس بات کی علامت ہے کہ معاملہ ان کے نزدیک سیاسی نہیں بلکہ وجودی نوعیت کا ہے جہاں ریاست کے عوام کے جمہوری حقوق داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ عدالت کے روبرو ممتا بنرجی نے یہ سوال اٹھایا کہ آخر کیوں ووٹر لسٹ کی یہ خصوصی نظر ثانی صرف مغربی بنگال میں اس شدت کے ساتھ کی جا رہی ہے جبکہ دیگر ریاستوں میں اسی نوعیت کی کارروائی نظر نہیں آتی۔

ان کا موقف تھا کہ اس عمل کا اصل مقصد نئے ووٹروں کو شامل کرنا نہیں بلکہ پہلے سے موجود ووٹروں کو فہرست سے خارج کرنا ہے اور یہ ایک ایسی خاموش کارروائی ہے جو جمہوریت کی جڑوں کو کمزور کر سکتی ہے۔ ان کے الفاظ میں یہ صرف انتظامی مشق نہیں بلکہ ایک سیاسی منصوبہ ہے۔

ممتا بنرجی کی اپیل قانونی زبان تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں ایک گہرا اخلاقی اور جمہوری درد جھلکتا تھا۔ جب انہوں نے کورٹ سے کہا کہ " جمہوریت کو بچائیں" اور یہ جملہ ادا کیا کہ " انصاف بند دروازوں کے پیچھے رو رہا ہے" تو یہ صرف ایک ریاست کی وزیرِ اعلیٰ کی آواز نہیں تھی بلکہ وہ کروڑوں ووٹروں کی نمائندگی کر رہی تھیں جو اپنے حقِ رائے دہی کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہیں۔

ان کے یہ الفاظ دراصل موجودہ ہندوستانی سیاست کے اس المیے کی عکاسی کرتے ہیں جہاں عوام کو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ فیصلے کہیں اور ہو رہے ہیں اور اثرات کہیں اور پڑ رہے ہیں۔ سپریم کورٹ نے اس معاملے کو سنجیدگی سے لیتے ہوئے الیکشن کمیشن آف انڈیا کو نوٹس جاری کیا اور ان سے جواب طلب کیا۔ اگرچہ کورٹ نے فی الحال کوئی حتمی فیصلہ نہیں دیا لیکن نوٹس جاری ہونا بذاتِ خود ایک بڑی پیش رفت ہے۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدلیہ اس معاملے کو رسمی کارروائی سمجھ کر نظر انداز کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ عدالت نے یہ بھی کہا ہے کہ اگلی سماعت 9 فروری کو ہوگی اور وہ عملی حل تلاش کرنے کی کوشش کرے گی، نیز ضرورت پڑنے پر مزید وقت دینے کا امکان بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

یہ کیس اس لیے بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ آنے والے مغربی بنگال اسمبلی انتخابات کے بالکل قریب سامنے آیا ہے، ایسے وقت میں ووٹر لسٹ میں کسی بھی قسم کی تبدیلی یا نظر ثانی کے اثرات براہِ راست انتخابی نتائج پر پڑ سکتے ہیں۔ اسی لیے اپوزیشن حلقوں میں اس خدشے کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ انتخابی عمل کی غیر جانبداری پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے جبکہ حکمراں طبقہ اسے محض ایک انتظامی ضرورت قرار دینے پر مصر ہے۔

دورِ حاضر کی ہندوستانی سیاست میں یہ معاملہ ایک نظیر بن سکتا ہے۔ اگر عدالت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ووٹر لسٹ کی نظر ثانی کا عمل شفافیت اور مساوات کے اصولوں کے مطابق نہیں ہو رہا تو اس کے اثرات صرف مغربی بنگال تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ پورے ملک میں انتخابی عمل کے طریقہ کار پر نظر ثانی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے اور اگر یہ خدشات نظر انداز کر دیئے گئے تو جمہوریت کے سب سے بنیادی حق یعنی ووٹ کی معنویت کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔

فی الحال یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ اس کیس کا انجام کیا ہوگا لیکن اتنا طے ہے کہ ممتا بنرجی کی سپریم کورٹ میں پیشی نے ایک بار پھر یہ بحث زندہ کر دی ہے کہ جمہوریت صرف انتخابات کا نام نہیں بلکہ اس اعتماد کا نام ہے جو عوام کو اپنے اداروں پر ہوتا ہے، اگر یہ اعتماد متزلزل ہو جائے تو جمہوری عمارت محض ایک کھوکھلا ڈھانچہ بن کر رہ جاتی ہے۔ آنے والی سماعت نہ صرف ایک قانونی فیصلے کا تعین کرے گی بلکہ یہ بھی طے کرے گی کہ ہندوستانی جمہوریت اس نازک موڑ پر کس سمت آگے بڑھے گی۔

اس پورے قضیے کو اگر وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو یہ

احوالِ وطن

صرف مغربی بنگال، ممتا بنرجی یا الیکشن کمیشن تک محدود معاملہ نہیں رہتا بلکہ یہ ہندوستانی جمہوریت کے اس بنیادی سوال سے جڑ جاتا ہے کہ آیا عوام کا اعتماد اب بھی اداروں پر قائم ہے یا وہ آہستہ آہستہ متزلزل ہو رہا ہے؟

ووٹ کا حق محض ایک آئینی شق نہیں بلکہ وہ روح ہے جس پر پورا جمہوری نظام کھڑا ہے اور اگر اسی حق کے تحفظ پر سوال اٹھنے لگیں تو یہ ایک سنجیدہ وارننگ سمجھی جانی چاہیے ممتا بنرجی کی سپریم کورٹ میں پیشی اسی وارننگ کی علامت ہے۔

یہ ایک ایسا لمحہ ہے جہاں سیاست اور آئین آمنے سامنے کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور فیصلہ صرف ایک کیس کا نہیں بلکہ ایک روایت کا ہونا ہے۔ اس روایت کا جس میں الیکشن کمیشن جیسے آئینی اداروں کی غیر جانبداری، عدلیہ کی آزادانہ مداخلت اور عوامی نمائندوں کی ذمہ داری ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کڑی میں بھی کمزوری آتی ہے تو اس کا اثر پورے نظام پر پڑتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حالیہ برسوں میں انتخابی عمل پر شکوک و شبہات کا دائرہ وسیع ہوا ہے۔ کہیں ای وی ایم پر سوالات ہیں، کہیں ووٹر لسٹ کی شفافیت پر اور کہیں انتخابی مہم کے دوران ریاستی مشینری کے استعمال پر۔ ایسے ماحول میں ووٹر لسٹ کی خصوصی گہری نظر ثانی جیسے اقدامات عوامی بے چینی کو مزید بڑھاتے ہیں، خاص طور پر جب یہ تاثر قائم ہو کہ یہ عمل یکساں طور پر پورے ملک میں نافذ نہیں ہو رہا بلکہ مخصوص ریاستوں یا علاقوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ عدالتِ عظمیٰ کے سامنے اب ایک نہایت نازک ذمہ داری آن کھڑی ہوئی ہے۔ اسے نہ صرف قانونی موشگافیوں کو سلجھانا ہے بلکہ اس اعتماد کو بھی بحال کرنا ہے جو عوام کے دلوں میں آئینی اداروں کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ اگر اس معاملے میں شفافیت، مساوات اور غیر جانبداری کے اصولوں کو مقدم رکھتی ہے تو یہ فیصلہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک مضبوط مثال بن سکتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ خاموشی بھی ایک فیصلہ سمجھی جائے گی جس کے اثرات دیرپا اور گہرے ہوں گے۔ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ ہندوستان جیسے کثیر الثقافتی اور کثیر اللسانی ملک میں جمہوریت صرف اکثریت کی حکمرانی کا نام نہیں بلکہ اقلیتوں، حاشیے پر موجود طبقات اور کمزور آوازوں کے تحفظ کا ضامن بھی ہے۔ ووٹر لسٹ سے کسی ایک نام کا حذف ہونا بظاہر ایک معمولی انتظامی عمل لگ سکتا ہے مگر درحقیقت یہ کسی فرد کی سیاسی شناخت کے مٹنے کے مترادف ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس عمل پر سوال اٹھانا دراصل جمہوریت کے دفاع کے مترادف ہے نہ کہ اس کی مخالفت۔ ممتا بنرجی کی اپیل میں جو اخلاقی کرب اور جمہوری درد جھلکتا ہے وہ اس بات کی یاد دہانی ہے کہ سیاست اگر صرف عددی طاقت اور انتخابی حکمتِ عملی تک محدود ہو جائے تو وہ اپنے اصل مقصد سے بھٹک جاتی ہے۔ جمہوریت کا اصل حسن اسی میں ہے کہ اختلاف کو دبایا نہ جائے بلکہ سنا جائے اور ادارے طاقت کا نہیں بلکہ انصاف کا ذریعہ بنیں۔ اب جب اس معاملے کی اگلی سماعت قریب ہے تو پورے ملک کی نظریں سپریم کورٹ پر مرکوز ہیں۔

یہ سماعت ایک قانونی کارروائی نہیں ہوگی بلکہ یہ اس بات کا امتحان ہوگی کہ ہندوستانی جمہوریت اپنے اس نازک موڑ پر کس راستے کا انتخاب کرتی ہے۔ کیا وہ شفافیت، اعتماد اور مساوات کے اصولوں کو مضبوط کرے گی، یا پھر شبہات اور خدشات کو مزید گہرا ہونے دے گی؟ آخر کار یہ بات طے ہے کہ جمہوریت صرف بیلٹ بکس میں ڈالے گئے ووٹوں سے زندہ نہیں رہتی بلکہ اس یقین سے زندہ رہتی ہے کہ ہر ووٹ کی قدر ہے، ہر آواز کی اہمیت ہے اور ہر ادارہ اپنے آئینی دائرے میں رہ کر عوام کے حق میں کام کر رہا ہے۔

اگر یہ یقین کمزور پڑ جائے تو انتخابات ایک رسمی عمل بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کی طرف یہ پورا مقدمہ اشارہ کرتا ہے اور یہی وہ سوال ہے جس کا جواب آنے والے دنوں میں ہندوستان کی جمہوری سمت کا تعین کرے گا۔

□ □ □

احوال وطن

از: محمد شمیم*

اگر مکاتب و مدارس ختم ہو گئے تو...؟

جس طرح انسان کو زندہ رہنے کے لیے ہوا اور پانی کا ہونا ضروری ہے، اس سے کہیں زیادہ ایک زندہ دل مسلمان کے لیے مکاتب و مدارس کا وجود ضروری ہے، کیونکہ مکاتب ہوں گے تو ہماری قوم کے معصوم بچے قرآنِ پاک اور دینیات کی تعلیم حاصل کریں گے، اور مکاتب و مساجد میں تعلیم دینے کے لیے ائمہ و مدرسین کا ہونا بھی ضروری ہے، جبکہ یہ ائمہ و اساتذہ مدارس ہی سے تیار ہو کر آتے ہیں۔

خدا نہ کرے کہ ایسا وقت آئے جب تمام مکاتب و مدارس کو جڑ سے ختم کر دیا جائے، تو اس کا انجام کتنا بھیانک ہوگا! ہمارے معصوم بچوں کو قرآنِ پاک اور دینیات کون سکھائے گا؟ نکاح کون پڑھائے گا؟ جنازے کی نماز کون پڑھائے گا؟ عیدین اور جمعہ کی نمازیں کون پڑھائے گا؟ پانچ وقت کی نمازوں میں امامت کون کرے گا؟ جب ہر طرف سے قرآن و حدیث پر اعتراضات ہوں گے تو ان کا جواب کون دے گا؟

ابھی تو ارتداد کی آندھی چل رہی ہے، لیکن اگر مکاتب و مدارس نہ رہے تو یہی آندھی طوفان کی شکل اختیار کر لے گی، اس وقت اس کی روک تھام کی کیا صورت ہوگی؟ جو علمائے کرام اور حفاظِ عظام اس وقت موجود ہیں، وہ اپنی زندگیاں گزار کر دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کے بعد جب نئے علما اور حفاظ تیار ہونے کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں گے تو ذرا سوچئے کہ ہماری نسلیں دین کس سے سیکھیں گی؟ اپنے دینی مسائل کس سے معلوم کریں گی؟ ایسے اور بھی بہت سے سوالات ہیں جن کے بارے میں سوچ کر روح کانپ اٹھتی ہے کہ اگر یہ مکاتب و مدارس نہ رہے تو مسلمان اپنے دین پر کیسے قائم رہ سکے گا۔

انہی وجوہات کی بنا پر ہماری قوم کے غیور مسلمان مکاتب و مدارس کی اہمیت اور افادیت کو اپنی جان سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور ان سے للہ فی اللہ محبت بھی کرتے ہیں، مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہمارے مدارس کا نظام بھی درہم برہم ہو گیا تھا، لیکن یہ ہمارے غیرت مند مسلمانوں کا حوصلہ ہی ہے کہ وہ اپنی محنت کی کمائی سے ان مکاتب و مدارس کو چلا رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ نظام قیامت تک چلتا رہے گا۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ہاں! ہمارے معاشرے سے یہ شکایت بھی آتی رہتی ہے کہ بعض لوگ مدارس کے نام پر اپنی دکان چلاتے ہیں اور امانت میں خیانت کرتے ہیں، درحقیقت یہ بہروپیے ہوتے ہیں جو مولانا کا روپ دھار کر چوری، خیانت اور حرام خوری جیسے قبیح اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بناتے ہیں، ایسے لوگوں کی مدرسہ نما دکانیں ہمارے لیے نمونہ نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی وجہ سے تمام مدارس پر لعن طعن کرنا درست ہے، کچھ لوگ سوشل میڈیا پر ایک لاٹھی سے تمام مدارس کو ہانکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے خیال میں ایسے لوگ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہوتے ہیں، کیونکہ مدارس تو آپ ہی کے ہیں اور ان کے بغیر آپ کی دینی زندگی ادھوری ہے، غور کیجیے! اگر بدن کے کسی حصے پر پھوڑا نکل آئے اور اس میں مواد بھر جائے تو اسی پھوڑے کا علاج کیا جاتا ہے، اسے نشتر لگا کر ٹھیک کیا جاتا ہے، پورا عضو نہیں کاٹا جاتا، اسی طرح جہاں کہیں امانت میں خیانت یا کوئی برائی نظر آئے تو اسے روکنے کی کوشش کیجیے، اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے روکیے، یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے سمجھائیے بقیہ ص ۶۷ پر

*مضمون نگار دارالعلوم حسینیہ بوری ولی ممبئی سے متعلق ہیں۔

سوال و وطن

از: مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی*

غدیر خم سے متعلق ایک خطیب کے چند گمراہ کن نظریات اور ان کا شرعی حکم

ناگپور کے تاج آباد شریف درگاہ کے سامنے میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اور اس جلسے میں جو مقرر خصوصی مدعو کیے گئے شاید وہ اہل تشیع حضرات کے عقائد باطلہ سے بہت متاثر تھے تو حضرت موصوف نے یوم علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موضوع پر اہل سنت و الجماعت پر طعن لعن کرتے ہوئے تمام مجمع کو یوم غدیر منانے کی نصیحت دے ڈالی۔ نیز غدیر خم کا واقعہ بیان کیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ اٹھا کر کہا تھا کہ جس کا میں مولیٰ اس کا علی مولیٰ اور غلط بیانی کرتے ہوئے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اس روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں خلافت دے دی تھی اور پھر بات بدلتے ہوئے کہا کہ ولایت عطا فرمائی تھی اور انہوں نے لفظ ''مولیٰ'' کا معنی خلیفہ کے کیے۔ جب کہ مشکوٰۃ شریف میں کتاب الکرامات میں حضرت سفینہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے متعلق جو واقعہ ہوا کہ وہ افریقہ کے جنگل میں اپنے وقف کے ساتھ کھو گئے اور اپنے ساتھیوں کو ڈھونڈ ہی رہے تھے کہ جنگل کا شیر سامنے آ گیا اور جب شیر آیا تو آپ ڈرے نہیں بھاگے نہیں بلکہ شیر کی طرح اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور جب شیر ان پر حملہ آور ہوا تو انہوں نے کہا: یا ابا الحارث انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اس متن کا ترجمہ تمام اہل سنت کی شرح میں کہیں بھی خلیفہ یا ولایت نہیں ہیں اور عید غدیر خاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہادت کے دن منائی جاتی ہے۔

لہٰذا آپ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ (1) اہل سنت والجماعت کا یوم عیدِ غدیر منانا کیسا؟ (2) کیا غدیر خم کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ملنے پر دلالت کرتا ہے؟ (3) کیا غدیر خم کے موقع پر حضرت رضی اللہ عنہ کو ولایت عطا کی گئی تھی یا پہلے سے یا کس وقت ملی؟ (4) کیا دیگر خلفائے راشدین کو ولایت حاصل نہیں ہوئی تھی؟ (5) اور جو اہل سنت کے افراد علما ایسے جلسوں میں شرکت کریں یا جو ایسے جلسے منعقد کریں ان پر از روئے شرع کیا حکم ہے؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، بینوا توجروا۔

مستولہ: (نبیرۂ فقیہ اعظم مولانا مفتی) محمد عبدالعزیز خان قادری، ناگپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

الجواب بعون الملک الوہاب: استفتا کے مندرجات دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مقرر خصوصی اہل تشیع کے عقائد و نظریات سے متاثر ہیں اور اہل سنت کے عقائد و نظریات سے ناواقف! اہل سنت پر طعن و تشنیع نہ کرے گا مگر وہ جو مخالف اہل سنت ہے۔ مقرر خصوصی کا عید غدیر منانے کا حکم دینا یقیناً شیعہ مذہب کی پیروی کی طرف غماز ہے۔ یوم غدیر اہل تشیع کی عید اکبر ہے اور اس کو وہ خاص اس لیے مناتے ہیں کہ ان کے مطابق اس دن حضرت علی کو خلافت بلافصل ملی تھی بلکہ امامت کے بھی قائل ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اس دن چوں کہ حضرت عثمان غنی کی شہادت ہوئی تھی اس لیے وہ اس دن جشن مناتے ہیں۔ یہ ساری وجوہات ہوسکتی ہیں۔ البتہ اصل وجہ حضرت علی کی خلافت بلافصل اور امامت ہے۔ اس عید غدیر کا بانی عراقی شیعہ حاکم معزالدین احمد بن ابویہ دیلمی ہے، سب سے پہلے اسی نے رافضیوں کے ساتھ ۱۸/ذی الحجہ ۳۵۲ھ کو بغداد میں عید غدیر منائی، ابن کثیر نے لکھا ہے:

''(ثم دخلت سنة ثنتين وخمسين وثلاثمائة... وفي

* مضمون نگار نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور کے مفتی ہیں۔

ثامن عشر ذی الحجة منها أمر معز الدولة بإظهار الزينة ببغداد وأن تفتح الأسواق بالليل كما في الأعياد وأن تضرب الدبادب والبوقات، وأن تشعل النيران بأبواب الأمراء وعند الشرط ; فرحا بعيد الغدير - غدير خم - فكان وقتا عجيبا ويوما مشهودا، وبدعة ظاهرة منكرة۔ **سن ۳۵۲ ہجری ۱۸ر ذی الحجہ کو معزالدولہ نے شہر بغداد سجانے اور رات کو عیدوں کی راتوں کی طرح بازار کھولنے کا حکم دیا اور باجے اور بگل بجاگے گئے اور حکام کے دروازوں اور فوجیوں کے پاس چراغاں کیا گیا، عید غدیر کی خوشی میں، تو وہ وقت عجیب اور دیکھنے کا دن تھا اور ظاہری بری بدعت کا دن تھا۔"** [البدایۃ والنہایۃ، لابن الکثیر: ۱۵/۲۶۱]

امام ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

"وفيها فى الثامن عشر ذى الحجة، أمر معز الدولة بإظهار الزينة فى البلد، وأشعلت النيران بمجلس الشرطة، وأظهر الفرح، وفتحت الأسواق بالليل، كما يفعل ليالى الأعياد فعل ذلك فرحا بعيد الغدير، يعنى غدير خم، وضربت الدبادب والبوقات، وكان يوما مشهودا۔ **اور سن ۳۵۲ ہجری ۱۸ر ذی الحجہ کو معزالدولہ نے شہر سجانے کا حکم دیا اور درباریوں کی مجلس میں چراغاں کیا گیا اور خوشی کا اظہار کیا گیا اور بازار کھولے گئے رات کو جس طرح عیدوں کی راتوں کو کھولے جاتے خوب خوشی منائی گئی عید غدیر خم میں اور باجے اور بگل بجائے گئے اور وہ دیکھنے کا دن تھا۔"** [الکامل فی التاریخ: ۷/۲۴۶]

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"سنة اثنتين وخمسين وثلاثمائة. وفيها يوم ثامن عشر ذى الحجة، عملت الرّافضة عيد الغدير، غدير خمّ، ودقت الكوسات وصلّوا بالصحراء صلاة العيد۔ **اور سن ۳۵۲ ہجری ۱۸ر ذی الحجہ کو روافض (ابتدا میں معزالدین کا ذکر ہے) نے عید غدیر منائی ڈھول بجائے گئے اور میدان میں نماز عید پڑھی۔"** [العبر فی خبر من غبر: ۲/۹۰]

الغرض: عید غدیر اہل تشیع کا تیوہار ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک جس کی اصل بنیاد یوم غدیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ علی کو خلافت و امامت دینا ہے۔ حالاں کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔ واقعہ غدیر خم سے مولیٰ علی کی خلافت و امامت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ حدیث غدیر خم سے مولیٰ علی کی فضیلت اجاگر ضرور ہوتی ہے لیکن اس سے خلافت و امامت مراد لینا جہالت ہے۔ حالانکہ اس سے قبل بھی متعدد مقامات پر مولیٰ علی کو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوازا مگر اس دن کو عید کا دن کیوں نہیں قرار دیا جاتا ہے؟ اہل تشیع واقعہ غدیر خم کے جن الفاظ کو اپنے مقصد پر استدلال کرتے ہیں وہ "من كنت مولاه فعلى مولاه" **ہے۔ مقرر خصوصی نے بھی اپنی تقریر میں سبقتاً اس کا اظہار کیا ہے۔ حالاں کہ اس جملہ سے کسی طرح بھی خلافت و امامت کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا ہے۔**

مولیٰ کے معنی خلیفہ یا امام کے کہیں نہیں آتے بلکہ اس کے متعدد معانی میں سے ایک اہم معنی جو یہاں مراد ہے وہ ہے ناصر و مددگار۔ خلیفہ یا امام کا مفہوم محض فاسد ہے۔ ہم یہاں لفظ مولیٰ پر شارحین حدیث کے بیانات قلم بند کرتے ہیں: تاکہ مفہوم واضح ہو جائے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"من كنت مولاه فعلى مولاه" قيل، معناه: من كنت أتولاه فعلى يتولاه من الولى ضد العدو أى: من كنت أحبه فعلى يحبه، وقيل معناه: من يتولانى فعلى يتولاه، كذا ذكره شارح من علمائنا۔ **جس کا میں مددگار رہوں اس کے علی مددگار ہیں، کہا گیا ہے کہ اس کے معنی جس سے میں دوستی رکھتا ہوں اس سے علی دوستی رکھتے ہیں۔ دوست بمقابلہ دشمن، یعنی جس سے میں محبت کرتا ہوں اس سے علی محبت کرتے ہیں اور یہ معنی بھی اس کے کئے گئے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے دوستی رکھی تو علی اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ ہمارے شارحین علما نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔"**

آگے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقيل: سبب ذلك أن أسامة قال لعلى: لست مولاى

إنمامولای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کنت مولاہ فعلی مولاہ ۔اس کا سبب یہ بتایا گیاہے کہ حضرت اسامہ نے کہا کہ علی میرے مولیٰ نہیں ہیں میرے مولیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں جس کا مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں۔"

اوراس حدیث سے مولیٰ علی کی امامت پر استدلال کرنے والے شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قالت الشیعة: ھو متصرف، وقالوا: معنی الحدیث أن علیا رضی اللّٰہ عنه یستحق التصرف فی کل ما یستحق الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم -التصرف فیه، ومن ذلک أمور المؤمنین فیکون إمامھم أقول: لا یستقیم أن تحمل الولایة علی الإمامة التی ھی التصرف فی أمور المؤمنین، لأن المتصرف المستقل فی حیاته ھو ھو صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا غیر فیجب أن یحمل علی المحبة وولاء الإسلام ونحوھما۔ شیعہ نے کہا کہ وہ متصرف ہیں اور کہا کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ علی ہراس معاملہ میں تصرف کا حق رکھتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کا حق رکھتے ہیں اورانہیں میں سے مسلمانوں کے معاملات ہیں پس وہ ان کے امام ہوئے، میں کہوں گا کہ ولایت کواس امامت پر جو مومنین کے معاملہ میں تصرف ہے، محمول کرنا درست نہیں اس لیے کہ مستقل متصرف اپنی حیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کوئی غیر نہیں۔تو واجب ہے کہ اسے محبت اور اسلام کی ولا اوران دونوں کے مثل پر محمول کیا جائے۔"

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب المناقب،۱۱/ ۲۴۷]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بداں کہ ایں اقوی چیزیست کہ تمسک کردہ اند شیعہ در ادعای ایشاں نص تفصیلی بخلافت علی مرتضی رضی اللہ ومیگویند کہ مولیٰ اینجا بمعنی اولیٰ بامامت است۔ما میگوئیم بشیعہ بطریق الزام کہ ایشان اتفاق کردہ ند براعتبار تواتر دلیل امامت وگفتہ اند کہ تاحدیث متواتر نباشد بداں استدلال برصحت امامت نتواں کرد ویقین است کہ ایں حدیث متواتر نیست —یعنی جان لو کہ یہ سب سے طاقت ور دلیل ہے جس سے اپنے دعویٰ پر شیعہ استدلال کرتے ہیں، کہ یہ حضرت علی کی خلافت میں یہ تفصیلی نص ہے اور کہتے ہیں کہ اس جگہ مولیٰ کے معنی اولیٰ بالامامت ہے۔ہم بطور الزام شیعہ سے کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک امامت کی دلیل میں بالاتفاق تواتر معتبر ہے اوران لوگوں نے کہاہے کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے امامت کے صحیح ہونے پر استدلال نہیں کرسکتے اور یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔"

[اشعۃ اللمعات فارسی:۲۷۲/۴، باب مناقب علی]

علامہ ابن حجر ہیتمی نے الصواعق المحرقہ میں لفظ مولیٰ وغیرہ سے خلافت وامامت مراد لینے پر شیعوں کی جانب سے دیئے گئے دلائل کا تفصیلی جواب دیا ہے، یہ مقام اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے، ہم بس لفظ مولیٰ کے امام یا خلیفہ مراد لیے جانے پر دیے گئے جواب کونقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

"زعموا أن من النص التفصیلی المصرح بخلافة علی قوله صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم غدیر خم موضع بالجحفة مرجعه من حجة الوداع۔ اہل تشیع نے گمان کیا کہ خلافت علی پر نص مصرح تفصیلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول (یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ ہیں) ہے جو غدیر خم کے روز مقام جحفہ میں حجۃ الوداع سے لوٹتے وقت فرمایا تھا۔" [الصواعق المحرقہ:ص ۶۵]

اس پر اہل تشیع نے جو دلیل دی ہے،اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"لانسلم أن معنی الولی ماذکروہ بل معناہ الناصر . . . ..علی أن کون المولی بمعنی الإمام لم یعھد لغة ولا شرعا۔ ہم یہ نہیں مانتے ہیں ولی کا وہ معنی جوانہوں نے ذکر کیا ہے ہم نہیں مانتے ہیں ۔ بلکہ اس کا معنی مددگار کے

ہیں.... اس بنیاد پر کہ مولیٰ کے معنی امام ہونا لغت اور شرع کے اعتبار سے معہود نہیں ہے۔" [مرجع سابق: ص ۶۶، ۶۵]

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں:

" مولیٰ کے بہت معنی ہیں دوست، مددگار، آزاد شدہ غلام، آزاد کرنے والا مولیٰ ۔ اس کے معنی خلیفہ یا بادشاہ نہیں۔ یہاں بمعنی دوست محبوب ہے۔ یا بمعنی مددگار اور واقعی حضرت علی مسلمانوں کے دوست بھی ہیں اور مددگار بھی۔ اس لیے آپ کو مولیٰ علی کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صٰلِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ. شیعہ کہتے ہیں کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ ہے اور اس حدیث سے لازم ہے کہ بجز حضرت علی کے خلیفہ کوئی نہیں آپ خلیفہ بلافصل ہیں مگر یہ غلط ہے، چند وجہ سے: ایک یہ کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ یا بمعنی اولیٰ بالخلافہ کبھی نہیں آتا۔ بتاؤ اللہ تعالیٰ اور حضرت جبریل کس کے خلیفہ ہیں حالاں کہ قرآن مجید میں انہیں مولیٰ فرمایا: فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ. دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے خلیفہ نہیں پھر من کنت مولاہ کے کیا معنی ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ حضرت علی حضور کی موجودگی میں خلیفہ نہ تھے حالاں کہ حضور نے اپنی حیات شریف میں یہ فرمایا پھر مولیٰ بمعنی خلیفہ کیسے ہوگا۔ چوتھے یہ کہ اگر مان لو کہ مولیٰ بمعنی خلیفہ ہی ہو تو بھی بلا فصل خلافت کیسے ثابت ہوگی۔ واقعی آپ خلیفہ ہیں مگر اپنے موقعہ اپنے وقت میں۔ پانچویں یہ کہ اگر یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ ہوتا تو جب سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار سے حضرت صدیق اکبر نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الخلافة فی القریش۔ خلافت قریشی میں ہے۔ تم لوگ چوں کہ قریش نہیں۔ لہٰذا تم امیر نہیں بن سکتے، وزیر بن سکتے ہو، اس وقت حضرت علی نے یہ واقعہ لوگوں کو یاد کیوں نہ کرا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھے خلافت دے گئے میرے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ آپ خاموش رہے اور تینوں خلفا کے ہاتھ پر باری باری بیعت کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کی نظر میں بھی یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ نہ تھا۔ چھٹے یہ کہ حضور کے مرض وفات میں حضرت عباس نے جناب علی سے کہا کہ چلو حضور سے خلافت اپنے لیے لے لو حضرت علی نے انکار کیا کہ میں نہیں مانگوں گا ورنہ حضور مجھے ہرگز نہ دیں گے۔ اگر یہاں مولیٰ بمعنی خلیفہ تھا تو یہ مشورہ کیسا۔ ساتویں یہ کہ خلافت کے لیے روافض کے پاس نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت چاہیے یہ حدیث نہ تو قطعی الثبوت ہے کہ حدیث واحد ہے نہ قطعی الدلالت کہ مولیٰ کے بہت معنی ہیں اور مولیٰ بمعنی خلیفہ کہیں نہیں آتا۔"

[مرأۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح: ج ۸/ ۴۲۵]

الغرض: حدیث غدیر خم میں لفظ مولی کے معنی مددگار کے ہیں سوائے اہل تشیع کے کسی نے بھی مولی کے معنی خلافت، امامت یا ولایت معروفہ نہیں لیے ہیں۔ لہٰذا مقرر خصوصی کا اس معنی سے خلافت یا ولایت بمعنی امامت یا ولایت معروفہ مراد لینا غلط ہے۔ بلکہ خلافت مراد لینے میں اہل تشیع کے باطل عقیدہ کی ترجمانی ہے، جو یقیناً گمراہی ہے۔ کیوں کہ حضرت علی کو اس حدیث کی روشنی میں اہل تشیع خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کو باطل مانتے ہیں۔ حالاں کہ یہ سراسر ضلالت و گمراہی بلکہ کفر ہے کیوں کہ خلفائے اربعہ کی خلافت پر اجماع امت ہے اور اجماع امت کا انکار کفر ہے۔ شارح بخاری، مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں:

" رافضیوں کا یہی عقیدہ ہے کہ خلیفہ بلافصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں خلفائے ثلاثہ کی خلافت باطل ہے اور وہ غاصب تھے۔ ان کا یہ عقیدہ باطل ہے۔"

[فتاوی شارح بخاری: ۲/۲۴]

فقیہ ملت، مفتی جلال الدین امجدی فرماتے ہیں:

" بعض شیعہ صاحبان نے اس موقع پر لکھا ہے کہ غدیر خم کا خطبہ یہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل کا اعلان تھا، مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ یہ محض ایک تک بندی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ کیوں کہ اگر واقعی حضرت علی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے لیے خلافت بلافصل کا اعلان کرنا تھا، تو عرفات یا منیٰ کے خطبوں میں یہ اعلان زیادہ مناسب تھا، جہاں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا اجتماع تھا۔ نہ کہ غدیر خم پر جہاں یمن اور مدینہ والوں کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔"

[سیرت مصطفیٰ: ص ۵۳۵]

حکیم الامت فرماتے ہیں :

"شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی اور منصوص ہے کہ غدیر خم پر حضور انور نے انہیں اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس صورت میں شیعہ حضرات کی یہ توجیہ درست نہیں۔" [مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح: ج ۸/ ۲۹۶]

حضور صدر الافاضل فرماتے ہیں:

"علاوہ بریں اس خلافت راشدہ پر جمیع صحابہ اور تمام امت کا اجماع ہے۔ لہٰذا اس خلافت کا منکر شرع کا مخالف اور گمراہ بددین ہے۔" [سوانح کربلا: ص ۴۲]

امام اہل سنت حضور اعلیٰ حضرت، فتح القدیر اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"فی الروافض من فضل علیا علی الثلاثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللّٰہ عنھما فھو کافر۔

رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔"

وجیز امام کردری میں ہے:

"من انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافۃ عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الاصح۔ **خلافتِ ابوبکر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، یہی صحیح ہے اور **خلافتِ عمر فاروق** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے۔"

[فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۴/ ۲۵۰]

رہا معاملہ کہ مولیٰ علی کو ولایت کب حاصل ہوئی تو اس کی کہیں تصریح نہیں ہے ہر صحابی ولی ہوتا ہے، حسب مراتب۔ خلفائے راشدین اولیائے کرام کی صف اوّل میں داخل ہیں۔ اولیا غیر صحابہ سے بدرجہا افضل و ارفع ہیں۔ حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام سب اولیائے کرام تھے...... صحابہ کرام میں سب سے افضل و اکمل و اعلیٰ و اقرب الی اللہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے اور اُن کی افضلیت ولایت بترتیبِ خلافت، یہ چاروں حضرات سب سے اعلیٰ درجے کے کامل مکمل ہیں اور دارائے نیابت نبوت ہونے میں شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پایہ ارفع ہے اور دارائے تکمیل ہونے میں حضرت مولا علی مرتضیٰ شیر خدا مشکل کُشا کا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔"

[فتاویٰ رضویہ قدیم، ۱۲/ ۷۰]

مزید فرماتے ہیں:

"اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیائے عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں اور ان کی شان ارفع و اعلیٰ ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں۔ لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں۔"

[فتاویٰ رضویہ جدید: ۲۴/ ۶۸۴، ۶۸۳]

الحاصل مقرر خصوصی کا یوم غدیر منانے کی ترغیب دینا، اہل تشیع کے باطل و گمراہ کن نظریات کی تشہیر و ترویج کرنا ہے، جو یقیناً گناہ بلکہ گمراہی و کفر پر مدد ہے، یوں ہی ایسے جلسوں میں شرکت کرنا جہاں اہل تشیع کے باطل و فاسد کفریہ عقائد کی تشہیر ہو، حرام بلکہ ان کے کفریہ عقائد پر راضی ہونے اور ان کی تشہیر میں مدد کرنے کے سبب کفر ہے۔

بالجملہ: یوم غدیر کو عید مانناا گر اہل تشیع کے باطل نظریات سے متفق ہوئے بغیر بھی ہو تب بھی گناہ پر مدد کرنے کا الزام رہے گا اور چوں کہ عید غدیر کی بنیادی وجہ حضرت علی کی خلافت بلافصل

اور خلفاے ثلاثہ کی خلافت کا انکار ہے جو بلا شبہ کفر ہے۔ تو اس طرح کفر پر مدد کرنا ہے۔ لہٰذا گناہ پر مدد گناہ کبیرہ اور کفر پر مدد کفر ہے۔ بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"الإعانة على المعاصي والفجور والحث عليها من جملة الكبائر۔ گناہوں اور برائیوں پر مدد کرنا اور اس پر ابھارنا گناہ کبیرہ ہے۔" [البنایۃ شرح الہدایۃ: ۹/۱۴۸]

فتاویٰ شامی میں ہے:

"فلا تجوز الإعانة على تجديد الكفر فيها.... وأن من ساعد على ذلك فهو راض بالكفر والرضا بالكفر كفر۔ تجدید کفر پر مدد جائز نہیں ہے اور جس شخص نے کفر میں کوشش کی تو وہ کفر پر راضی ہوا اور کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔" [ردالمحتار: ۴/۲۰۵]

حضور اعلیٰ حضرت، طحطاوی علی الدر کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"التفرج على المحرم حرام (حرام پر خوشی بھی حرام ہے) ایسے جلسوں میں شرکت گناہ کبیرہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: پس نصیحت و یاد دہانی کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو... قال اللہ تعالیٰ: ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔" [فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۵/۱۰۲، ۱۰۱]

علاوہ ازیں عید غدیر منانا اہل تشیع کا مذہبی شعار ہے اور کسی کافر قوم کے مذہبی شعار کو اپنانا یقیناً تشبہ کے درجہ میں آتا ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من تشبه بقوم فهو منهم۔ جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے۔" [سنن ابوداؤد: کتاب اللباس، ۲/۲۰۳]

البتہ اگر ان کے عقائد و نظریات کو مان کر ہے تو تشبہ التزامی ہے اور اگر ان کے عقائد سے تو اتفاق نہیں بلکہ اپنے طور پر ہی منا تا ہے لیکن ان کا مذہبی شعار ہونے کے سبب تشبہ پایا جا رہا ہے تو تشبہ لزومی ہے۔ پہلی صورت میں کفر ہے کیوں کہ تشبہ کے سبب کفریہ عقائد پر رضا شامل ہے اور دوسری صورت میں کم از کم تشبہ کے سبب حرمت و ممانعت ضرور ہے۔ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"تشبہ دو وجہ پر ہے: التزامی ولزومی۔ التزامی یہ ہے کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز و وضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ ان کی سی صورت بنائے ان سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے.......اور لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعار خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی......اس قوم کو محبوب و مرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفّار کے ساتھ معاذ اللہ کفر۔" [فتاویٰ رضویہ جدید: ۲۴/۵۳۰]

مزید فرماتے ہیں:

"نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے یا یوہیں بطور ہزل و استہزاء اس کا مرتکب ہوا تو حرام و ممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنّار، قشقہ، چُٹیا، چلیپا، تو علما نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا کما سمعت آنفا۔ اور فی الواقع صورت استہزاء میں حکم کفر ظاہر ہے کما لا یخفی اور لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جب کہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹا پردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔" [مرجع سابق: ۲۴/۵۳۲]

حضور اعلیٰ حضرت، ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"انا ممنوعون من التشبيه بالكفرة واهل البدعة المنكرة في شعارهم۔ ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے

مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔"

[مرجع سابق: ۲۴/ ۵۳۳]

اور فرماتے ہیں:

"اور اپنے لیے جو شعار کفر پر راضی ہو اس پر لزوم کفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من تشبہ بقوم فھو منہ۔ جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے: عبادۃ الصنم کفر ولا اعتبار فی قلبہ وکذا لو تزنر بزنار الیھود والنصاری دخل کنیستھم اولم یدخل .... جامع الفصولین منح الروح الازہر میں ہے: من خرج الی السدۃ (قال القاری ای مجمع اھل الکفر) کفر لان فیہ اعلام الکفر وکانہ اعان علیہ۔ جو کوئی (دارالاسلام کو چھوڑ کر) کفار ومشرکین کے مجمع میں جائے (السدۃ۔ محدث ملا علی قاری نے فرمایا: اس کا معنی مجمع اہل کفر ہے) تو وہ کافر ہو گیا کیوں کہ اس میں کفر کا اعلان ہے۔ گویا وہ کفر پر ان کی امداد کر رہا ہے۔۔۔ اور کفر کے اہتمام میں شریک ہونا اور اس پر راضی ہونا کفر ہے، الرضا بالکفر کفر (کفر پر راضی ہونا کفر ہے) وہ لوگ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے۔"

[مرجع سابق: ج ۲۱ ص ۲۹۶، ۲۹۷]

الحاصل: عید غدیر اہل تشیع کا مذہبی تہوار ہے۔ اہل سنت کا اس دن عید منانا اہل تشیع کے باطل افکار وعقائد کی تائید کا موجب اور ان کے اس باطل وکفریہ عقیدہ کو تقویت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا مقرر خصوصی کا عید غدیر کی ترغیب دینا لوگوں کو کفر اور کم از کم گمراہی کی دعوت دینا ہے اور ساتھ ہی روافض کے باطل نظریات کو تقویت پہنچانا ہے۔ مقرر خصوصی کو چاہیے کہ توبہ کرے اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح وبیعت کرے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا، ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح۔ متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اس کی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ اولاد زنا ہوگی اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔"

[الدر المختار مع الرد المحتار: باب المرتد، ۶/ ۳۹۱]

اور اگر مقرر خصوصی کا مقصد عید غدیر کو منانے سے فقط حضرت علی کی محبت ہی ہے۔ یا یوں ہی رسماً منانا ہے اور اہل تشیع کے افکار و نظریات جو اس غدیر سے وابستہ ہیں ان سے بالکلیہ متفق نہیں ہے بلکہ ان کو فاسد و باطل جانتا اور مانتا ہے۔ تو یہ بھی تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ جیسا کہ حضور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"جو بات کفار یا بد مذہباں اشرار یا فسّاق فجّار کا شعار ہو بغیر کسی حاجت صحیحہ شرعیہ کے برغبت نفس اس کا اختیار ممنوع و ناجائز و گناہ ہے۔ اگرچہ وہ ایک ہی چیز ہو کہ اس سے اس وجہ خاص میں ضرور اُن سے تشبّہ ہوگا، اسی قدر منع کو کافی ہے اگرچہ دیگر وجوہ سے تشبّہ نہ ہو۔" [فتاویٰ رضویہ جدید: ۲۴/ ۵۳۵]

لہٰذا ایسی صورت میں مقرر خصوصی پر رجوع اور توبہ لازم ہے اور آئندہ اس طرح معمولات اہل سنت کے خلاف زبان درازی سے باز آنا واجب و ضروری ہے اور اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کا بائیکاٹ کریں اور اس سے ہر طرح کا تعلق ختم کر لیں۔ قرآن پاک میں ہے:

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔"

[کنز الایمان: پارہ ۲۸، سورہ انعام آیت ۶۸]

□□□

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کر کے مطلع فرمائیں تا کہ محکمۂ ڈاک میں شکایت کر کے رسالہ پہنچایا جا سکے۔

تصنیف: امام فقیہ ابو اللیث نصر ابن محمد سمرقندی
ترجمہ: علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی*

فکر آخرت

پینتالیسویں قسط

گزشتہ سے پیوستہ

وضاحت دعا

(مصنف نے فرمایا) یعنی اولاد پر واجب ہے کہ والدین کا وہ حق جوان کی زندگی میں ہے اسے بھی پہچانے اور جو مرنے کے بعد ہے اسے بھی پہچانے۔ لہٰذا بعد موت ان کے لئے دعائے مغفرت (بکثرت) کیا کرے (خصوصاً) ہر نماز کے بعد۔ ایک اور قول (وَقُل رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا) کی تفسیر میں یہ آیا ہے کہ ہر حال میں، زندگی میں بھی اور بعد موت بھی ماں باپ کے لئے برابر دعائے رحمت و مغفرت کیا کرے۔ [1]

اور قولہ (كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا) سے مراد یہ ہے: میرے والدین دونوں جس طرح میرے چھٹپن میں، (میری دیکھ ریکھ و پرورش کے لئے) مستعد رہے۔ یہاں تک کہ میں بڑا ہو گیا تو تو اے میرے رب ان کو میری طرف سے جزائے خیر دے اور ان پر رحمت فرما، ان کی مغفرت فرما۔

ایک تابعی بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (نام مذکور نہیں، اُن) سے منقول ہے، فرمایا: جس نے ماں باپ کے لئے روزانہ پانچ مرتبہ دعائے خیر کی تو گویا اس نے والدین کا حق (کچھ) ادا کر دیا، دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ) شکر ادا کر میرا اور اپنے ماں باپ کا اور میری ہی طرف (بالآخر) پلٹ کر آنا ہے۔ [سورۂ لقمان۔ ۱۴]

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا شکر یہ ہے کہ بندہ روزانہ نماز پنج گانہ ان کے وقتوں پر ادا کرے اور اسی طرح والدین کا شکر یہ ہے کہ روزانہ نماز کے وقت ان کے لئے دعائے خیر کیا کرے

[1] یعنی بتانا چاہتے ہیں کہ دعائے مغفرت کی مُردے کے ساتھ تخصیص نہیں ہے، زندہ، مردہ ہر ایک کے لئے کی جاتی ہے، زندہ کے لئے بھی ممنوع یا بے فائدہ نہیں، چنانچہ قرآن و حدیث سے ثابت و معلوم ہے، ۱۲ — مترجم غفرلہ۔

اور قولہ تعالیٰ (رَّبُّكُمۡ أَعۡلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمۡ) اس سے مراد یہ ہے کہ اولاد کے دلوں میں ماں باپ کے لئے جو نرمی اور حسن سلوک (کا جذبہ) ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں کی کیفیت و نیت جانتا ہے، اُس پر نہ نفاق وریا پوشیدہ ہے نہ محبت واخلاص) اور قولہ تعالیٰ (إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ) یعنی اگر تم ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے لائق بیٹے ثابت ہوئے تو تم مستوجب اجر ہو گئے تمہارا اجر اللہ کے ذمۂ کرم پر ثابت رہے گا اور قولہ تعالیٰ (فَإِنَّهُ كَانَ لِلۡأَوَّابِينَ غَفُورًا) اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لئے بڑی بخشش والا ہے جنہوں نے گناہوں سے رجوع کر لیا۔ (توبہ بہت کرتے رہے اور اپنی حالتِ بد سدھار لی)

[تفسیری اقوال پورے ہوئے۔]

اولاد پر والدین کے لئے دس باتوں کا لحاظ لازم

قول بزرگاں: اور کہا جاتا ہے (یعنی بہت اہل علم کہتے آئے ہیں) کہ اولاد پر والدین کے لئے دس حق ہیں:

(۱) جب انہیں کھانے کی طرف احتیاج ہو تو انہیں کھانا دے بشرطیکہ تو قادر ہو۔ (۲) جب انہیں لباس کی طرف احتیاج ہو تو انہیں کپڑے پہنائے بشرطیکہ قادر ہو۔ (یہ مضمون) اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے مروی ہے کہ قولہ تعالیٰ (وَصَاحِبۡهُمَا فِي الدُّنۡيَا مَعۡرُوفًا) کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مصاحبت بمعروف۔ یہ ہے کہ انہیں کھانا کھلائے جب بھوک لگے اور انہیں کپڑا پہنائے جب ان کے پاس نہ ہو۔ (۳) جب وہ جسمانی خدمت کی طرف محتاج ہوں تو ان کی ہاتھ پیروں سے خدمت کرے۔ (۴) وہ آواز دیں تو ان کی سنے، جواب دے اور حاضر ہو۔ (۵) اور جب وہ کسی کام کا حکم دیں تو

ان کی اطاعت کرے بشرطیکہ گناہ وغیبت کا حکم نہ دیں۔(۶) اُن کے ساتھ گفتگو نرم الفاظ میں نرم لہجہ سے کرے۔غلیظ کلام (بھونڈی بات چیت) ان سے نہ کرے۔(۷) نام لے کر ان کو آواز نہ دے۔(۸) چلنے میں ان کے پیچھے رہے۔(آگے یا اغل بغل نہ چلے)(۹) ان کے لئے وہ پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند رکھتا ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند رکھے جو خود کے لئے ناپسند رکھتا، مکروہ جانتا ہو۔(۱۰) اور جب اپنے لئے دعائے مغفرت کرے تو ان کے لئے بھی ضرور کرے۔قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے الفاظ آئے ہیں عرض کیا: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ۔(ترجمہ) اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی۔ [سورۂ نوح آخری آیت]

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ آئے ہیں عرض کیا:

"رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝۔(ترجمہ) اے ہمارے رب! اور میری دعا بھی قبول فرما اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو بھی بخش دے جس روز حساب قائم ہوگا۔" [سورۂ ابراہیم -۴۰-۴۱]

والدین کے لئے دعا نہ کرنا، تنگدستی و بدحالی کا پیش خیمہ

خبر صحابی: بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول مروی ہے، فرمایا:

"ترک الدعا للوالدین یضیق العیش عن الولد۔ ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد نہ رکھنا روزی کی تنگی کا سبب ہے۔[۱]

بعد موت اُن کو راضی کرنے کی کامیاب تدابیر

ایک سوال کا جواب: اگر کوئی سوال کرے کیا بعد وفات والدین کو راضی کرنا اولاد کے لئے ممکن ہے؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: ہاں، کیوں نہیں (ضرور ممکن ہے)، تین کاموں سے انہیں راضی کر سکتا ہے:

(۱) پہلا کام یہ ہے کہ خود نیک ہو جائے دیندار بنے، کیوں کہ والدین کے نزدیک صلاح اولاد سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نہیں ہوتی۔[۲] (۲) دوسرا کام یہ کہ والدین کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے ان کے دوستوں سے میل ملاپ رکھے۔(۳) تیسرا کام یہ کہ ان کے لئے استغفار، نیک دعائیں کیا کرے اور (ایصال ثواب کیلئے) ان کی طرف سے خیرات کرتا رہے۔

مُردے کے تین عمل ٹھپ نہیں ہوتے

حدیث شریف: حضرت علاء ابن عبدالرحمن (بتوسط والد) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اذا مات ابن آدم-الحدیث۔(ترجمہ) جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل ٹھپ ہو جاتا ہے (کہ نہ بڑھے نہ گھٹے) ہاں تین عمل ایسے ہیں جو بند نہیں ہوتے (بلکہ ان کا تسلسل بنا رہتا ہے) ایک صدقۂ جاریہ۔دوسرا علم، کہ جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔تیسرے نیک اولاد، جو والد کے لئے دعائے مغفرت کیا کرے۔

باپ کے دوست رشتہ دار سے بے تعلقی، نورانیت بجھا دیتی ہے

حدیث شریف: ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا:

"لا تقطع من کان یصل ابا ک فطفئی بذلک نور ک فان ود ک ود ابیک۔(ترجمہ) اس شخص سے تعلق قطع مت کر جو تیرے باپ سے میل ملاپ رکھتا تھا ورنہ اس کے سبب تیری نورانیت ماند پڑ جائے گی۔کیونکہ تیری دوستی بے شک تیرے باپ کی دوستی ہے۔"

کیا بعد وفات ماں باپ کا کوئی حق باقی رہا؟

حدیث شریف: ذکر کیا جاتا ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ کے ایک صحابی، بارگاہ نبوت میں حاضر آئے، عرض کیا:

(حضور!) میرے ماں باپ دونوں مر چکے ہیں تو ان کے برّ میں سے (یعنی ان کے حقوق میں سے) مجھ پر بقیہ ص ۶۷ پر

[۱] یعنی تنگدستی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔تو لزوماً معلوم ہوا کہ والدین کے لئے نیک دعائیں کرنا فراخ دستی کے اسباب سے ہے،۱۲-مترجم غفرلہ۔

[۲] سب جانتے ہیں کہ اولاد کی نیکی و پرہیزگاری سے مومن ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔جیسا کہ سورۂ مومنون کے آواخر میں یہ مضمون مذکور ہے مترجم غفرلہ۔

از: مفتی محمد مقصود عالم فرحت ضیائی *

جہانِ سنیت کا ایک درخشاں ستارہ غروب ہو گیا

اہلِ سنت و جماعت کے ممتاز عالمِ دین، محقق، مصنف، مدافع مسلکِ اعلیٰ حضرت اور خلیفۂ اکابرِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد حسن علی رضوی برکاتی بریلوی میلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال اہلِ سنت کے علمی و فکری حلقوں کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، آپ کی رحلت سے ایک ایسی علمی، تحقیقی اور قلمی شخصیت ہم سے جدا ہوگئی جس نے اپنی پوری زندگی فروغِ مسلکِ اہلِ سنت، تحفظ عقائد حقہ اور ردِّ باطل میں صرف کر دی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

علامہ موصوف کو اکابر اہلِ سنت بالخصوص محدثِ اعظم پاکستان، مفتیِ اعظم ہند، برہانِ ملت، ملک العلماء اور مفسرِ اعظم ہند رحمہم اللہ تعالیٰ سے روحانی نسبت اور خلافت و اجازت کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے ان اکابر کے علمی و فکری ورثے کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اپنی تحریروں، تقاریر اور تدریسی خدمات کے ذریعہ اسے نئی نسلوں تک منتقل کیا۔

مرحوم ایک باوقار قلم کار، بے باک داعی حق اور صاحبِ بصیرت عالم تھے۔ جب بھی کوئی نیا فتنہ سر اٹھاتا، آپ کا قلم اس کے تعاقب میں نظر آتا۔ عقائد اہلِ سنت کی توضیح، ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ، اکابرِ دین کے دفاع اور فکرِ رضا کے فروغ میں آپ کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

آپ کی تحریروں میں استدلال کی قوت، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت اور حق گوئی کی جرأت نمایاں ہوتی تھی۔ آپ کا قلب فکرِ رضا سے سرشار تھا۔ اگرچہ آپ کا مسکن پاکستان تھا، لیکن روحانی و فکری اعتبار سے آپ کا تعلق بریلی شریف کے اس گلستان سے تھا جس کی آبیاری امام اہلِ سنت سیدنا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔

آپ کے مضامین، مقالات اور تصانیف میں محبت اعلیٰ حضرت اور دفاعِ مسلکِ حق کی خوشبو رچی بسی محسوس ہوتی تھی۔

آپ کے تلامذہ، مستفیدین اور وابستگان کی ایک بڑی جماعت آج سوگوار ہے۔ آپ نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، صحافت اور دعوت و ارشاد کے میدان میں جو نقوش چھوڑے ہیں، وہ مدتوں اہلِ سنت کی علمی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

آپ کی منتشر علمی یادگاروں کو جمع و مرتب کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے تا کہ آنے والی نسلیں اس علمی سرمایہ سے استفادہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس نیک بندے کی کامل مغفرت فرمائے، درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے، جنت الفردوس میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیتِ اطہار، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کا قرب نصیب فرمائے، پسماندگان، تلامذہ اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

بچھڑا ہے کوئی اہلِ وفا آج جہاں سے
کم ہوگئی رونق مرے گلزارِ جہاں سے

موت اہلِ علم کی گو موت ہے اہلِ زمیں
ایک عالم مر گیا، دنیا کے مرجانے کے بعد

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وأسکنہ فسیح جناتہ۔

□□□

قارئین کرام توجہ فرمائیں

ادارہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ آپ کو رسالہ بھیجتا ہے مگر ڈاک کی لاپرواہی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو رسالہ نہیں پہنچ پاتا، ایسے ممبران سے التماس ہے کہ ہمیں فون کر کے مطلع فرمائیں تا کہ محکمۂ ڈاک میں شکایت کر کے رسالہ پہنچایا جاسکے۔

یادرفتگاں

(از: مفتی محمد راحت خان قادری *)

قاطع نجدیت علامہ محمد حسن علی رضوی میلسی کا وصال
دنیائے سنیت کے ایک عہد کا خاتمہ

چرخِ سنیت کا ایک اور درخشندہ ستارہ غروب ہوا،علم وعمل کا ایک مستحکم قلعہ مسمار ہوا اور تصلب دینی و پاسبانی مسلک اعلیٰ حضرت کا ایک روشن مینار اپنی ضیا پاشیاں سمیٹ کر دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ بقیۃ السلف ،عمدۃ الخلف ،خلیفۂ خلفائے اعلیٰ حضرت ،صمصام المناظرین، ضیغم اہل سنت، تلمیذ وفیض یافتہ حضور محدث اعظم پاکستان، رئیس التحریر حضرت علامہ مفتی محمد حسن علی رضوی برکاتی بریلوی میلسی علیہ الرحمہ کا قضائے الٰہی سے وصالِ پر ملال، درحقیقت اس صدی میں جماعتِ اہلِ سنت کا وہ ناقابلِ تلافی علمی وفکری نقصان ہے جس پر جس قدر آنسو بہائے جائیں، کم ہیں۔

موصوف جماعت اہل سنت کے بزرگ ترین علمائے کرام میں سے تھے، آپ کی عمر نوے سال سے زائد ہو چکی تھی، طویل عرصہ سے علیل تھے لیکن اس بزرگی و نقاہت میں بھی اسلام و سنیت کے لیے مسلسل متفکر رہتے تھے، آخری ایام میں بھی زیرِ علاج رہنے کے باوجود آپ اوراد و وظائف کی پابندی فرماتے رہے۔ کل ۵ محرم الحرام ۱۴۴۸ھ/ ۲۱ رجون ۲۰۲۶ء بروز اتوار کو حضرت کے صاحب زادے خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی انوار احمد رضا مصطفوی رضوی دامت برکاتہم العالیہ مرکز اہل سنت میلسی نے وقت سحر تقریباً ڈھائی بجے یہ خبر دی:

"والد گرامی ضیغم اہل سنت علامہ محمد حسن علی رضوی بریلوی زید مجدہ کو ابھی ہم بہاولپور "وکٹوریہ ہسپتال" میں لائے ہیں، احباب اہل سنت دعا فرماتے رہیں۔"

ابھی ۲۴ رگھنٹے بھی نہ گزر پائے تھے کہ آج ہی رات کو بعد عشا انہوں نے یہ غم ناک خبر دردوغم، رنج والم میں ڈوبے ہوئے ان الفاظ میں عام کر دی:

"آج میرے والد گرامی حضرت ضیغم اہل سنت زید مجدہ مجھ سے جدا ہو گئے اور میں مر گیا ہوں۔"

ضیغم اہل سنت کے وصال پر ملال اور ان کی جدائی سے صرف حضرت علامہ مفتی انوار احمد رضا مصطفوی رضوی دامت برکاتہم العالیہ اپنے مشفق ومہربان والد ومربی سے محروم نہیں ہوئے بلکہ پوری دنیائے سنیت مسلک اعلیٰ حضرت کے ایک سچے، باوفا، باوقار و مخلص ترجمان سے محروم ہو گئی ہے، ان کا وصال کسی ایک گھر، خاندان یا خاص شہر کا خسارہ نہیں ہے بلکہ "موت العالم موت العالم" کی روشنی میں یہ پوری دنیائے اسلام کے لیے عظیم خسارہ اور ناقابل تلافی نقصان ہے، کثر اللہ تعالیٰ امثالہ . آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے گراں قدر علمی ذخیرے، بے مثال تدریسی خدمات، وقیع تصنیفی و تحقیقی آثار اور ہزاروں تلامذہ، مریدین ومتوسلین اور محبین ومعتقدین کی علمی وفکری تربیت کی صورت میں ایک ایسا عظیم سرمایۂ علم وعمل چھوڑ گئے ہیں جو ان شاء اللہ تا دیر اہلِ سنت کی رہنمائی اور فکری آبیاری کا ذریعہ بنا رہے گا۔ آپ کی ذاتِ گرامی اسلافِ امت کی تابندہ روایات کی امین، اکابرِ اہلِ سنت کی روشن یادگار اور مسلک اعلیٰ حضرت کے لیے ایک مضبوط علمی، فکری اور روحانی حصار کی حیثیت رکھتی تھی۔

فقیر محمد راحت خان قادری بریلوی علامہ میلسی علیہ الرحمہ کے جمیع مریدین ومتوسلین، معتقدین وتلامذہ وخلفا اور بالخصوص حضرت کے شہزادگان و اہلِ خانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے، علامہ میلسی کی ولادتِ باسعادت قیامِ پاکستان سے قبل ہریانہ (بھارت) کے شہر "ہانسی شریف" ضلع حصار میں ہوئی۔ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء کو آپ کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان کے شہر "میلسی" میں سکونت پذیر ہوا۔ علامہ میلسی کا جسم اگرچہ پاکستان کی دھرتی پر تھا، لیکن فکر رضا کے لحاظ سے ان کا دل ہمیشہ شہر عشق بریلی شریف کے سازِ

* مضمون نگار دار العلوم فیضانِ تاج الشریعہ، بریلی شریف کے بانی و سربراہِ اعلیٰ ہیں۔

یادِ رفتگاں

محبت میں مست ہو کر دھڑکتا تھا۔

ان کے رشحاتِ قلم پر نامِ اعلیٰ حضرت زریں حروف میں کندہ تھا، انہوں نے فکرِ رضا کی ترسیل و اشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا اور وہ ہند و پاک کی سرحدوں سے بے نیاز ہو کر پوری زندگی مسلک حق اہل سنت و جماعت یعنی مسلک اعلیٰ حضرت کی اس طرح آبیاری فرماتے رہے کہ اہل سنت و جماعت یعنی کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف کوئی کہیں سے بھی ہرجہ سرائی کے لیے سر اٹھاتا تو ان کا قلم برق بار اس کی سرکوبی کے لیے شمشیر برہنہ بن کر جوش میں آجاتا تھا، دلائل و براہین اور علم و تحقیق کے ایسے موتیوں سے مزین و مرصع کر کے تحریر کو سینۂ قرطاس پر اتار دیتے کہ مخالفین کی ہمت اور حوصلے ٹوٹ جاتے اور آپ کی تحقیقات کے خلاف ان میں سے کسی کو بھی دم زدن کی ہمت نہیں ہوتی۔

آپ کو زمانۂ طالب علمی میں بلند پایہ محدث، بے مثال مدرس، عظیم محقق و مفتی محدثِ اعظم پاکستان ابو الفضل علامہ محمد سردار احمد چشتی قادری رضوی علیہ الرحمہ [م ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۶۲ء] کی بارگاہ فیض سے علم حدیث کے حصول کا موقع میسر آیا اور عظیم مناظر مفسر قرآن، مفکر اسلام، شارح مشکوٰۃ، صاحب تصانیف کثیرہ، حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [م ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء] کی درس گاہِ علم سے فیضیاب ہو کر تکمیل علوم وفنون کی سعادت حاصل فرمائی۔ محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور مندرجہ ذیل بزرگ علما و مشائخ کی اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے:

شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاج دار اہل سنت، مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری نوری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء]، محدثِ اعظم پاکستان ابو الفضل علامہ مفتی محمد سردار احمد چشتی قادری رضوی علیہ الرحمہ [م ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۶۲ء]، فاضل بہار ملک العلما علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء]، شہزادۂ حضور حجۃ الاسلام مفسر اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [م ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء]

اپنے اساتذۂ کرام، مشائخ عظام اور اکابر اہلِ سنت کی فکر و منہج سے والہانہ وابستگی علامہ میلسی علیہ الرحمہ کی شخصیت کا نمایاں وصف تھی۔ ان کے افکار و تعلیمات کو کردار و عمل کے ذریعے زندہ رکھنا، ان کی روایات کی حفاظت کرنا اور ہر قسم کی فکری و عملی انحراف سے اجتناب برتنا آپ کے مزاج اور طرزِ حیات کا لازمی جزو تھا۔ آپ نہ صرف اسلاف کے علوم کے امین تھے بلکہ ان کے ذوق، مزاج، احتیاط، اعتدال اور مسلکی غیرت وحمیت کے بھی سچے ترجمان تھے۔

آج کے دور میں خود نمائی و خود ستائی علما و مشائخ میں بھی خوب درآئی ہے (الا ماشاء اللہ) بہت سے علما و مشائخ کے بارے میں سنا ہے کہ باقاعدہ میکپ کے بعد تصویر سازی اور ویڈیو گرافی کرواتے ہیں تاکہ ان کے چہرے حسین وجمیل اور نورانی لگیں اور عوام ان سے کثرت کے ساتھ وابستہ ہو جائے یہ مصیبت اب تو پوری دنیا میں عام ہو چکی ہے لیکن پورے برصغیر میں اس میدان میں جتنی تیزی کے ساتھ پاکستانی علما و مشائخ نے ترقی کی ہے، اس کی برابری میں خوب پیش رفت کرنے کے باوجود آج بھی برصغیر کے دیگر ممالک کے علما و مشائخ نہیں پہنچ سکے۔

جو علما و مشائخ خود نمائی و شہرت طلبی کے حرص میں مبتلا ہو کر اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہر ہر اینگل اور زاویے کی ویڈیو شوٹ کرانے کے لیے مہنگے مہنگے کیمرے والے اپنے آگے پیچھے کرائے کے ٹٹو رکھتے ہیں ان کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاج دار اہل سنت، مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری نوری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء] کے ان اشعار سے عبرت حاصل کرنی چاہیے:

رہنماؤں کی سی صورت راہ ماری کام ہے
راہ زن ہیں کو بکو اور رہنما ملتا نہیں

اے ملے گہلے ہیں مشائخ آج کل ہر ہر گلی
بے ہمہ و باہمہ مرد خدا ملتا نہیں

ہیں صفائے ظاہری کے یوں تو ساماں خوب خوب
جس کا باطن صاف ہو وہ باصفا ملتا نہیں

عظیم علمی مرتبے، جلالتِ علمی اور مناظرانہ بصیرت کے باوجود آپ نہایت سادہ، متواضع اور مخلص بزرگ تھے۔ آپ کے تقویٰ وطہارت کا عالم یہ تھا کہ پاکستان کی سرزمین پر ایسے پراگندہ ماحول میں رہ کر بھی آپ تصویر سازی اور ویڈیو بازی سے ہمیشہ سختی سے پرہیز فرماتے تھے۔

حضرت کے علمی وفکری اور تحقیقی مضامین ماہ نامہ اعلیٰ حضرت اور ماہ نامہ سنی دنیا وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے تھے، حضرت کی تحقیقاتِ علمیہ کا یہ فقیر زمانۂ طالب علمی سے ہی اسیر اور ان کی ذات بابر برکت کا معتقد رہا ہے۔ ۶ رذی الحجہ ۱۴۴۷ھ/ ۲۴ رمئی ۲۰۲۶ء کو عزیز گرامی قدر شہزادۂ شیخ ملت مولانا محمد میاں صدیقی قادری مرکزی ازہری اور عزیز مکرم حضرت مولانا مفتی احمد فیاض قادری رضوی (حفظہما اللہ تعالیٰ) نے یہ خبر دیتے ہوئے مبارک بعد پیش کی کہ حضرت میلسی علیہ الرحمہ نے مجھ فقیر کو اجازت و خلافت سے نوازا ہے اور ایک آڈیو بھی ارسال فرمائی کہ جو حضرت کی آواز میں اجازت وخلافت کا ذکر، بافیض ہونے کی دعا، دین کی خدمت، اولاد کو عالم بنانے اور مساجد ومدارس قائم کرنے کی نصیحت وغیرہ پر مشتمل ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصدق، اہل بیت اطہار اور شہدائے کرب وبلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی برکت سے حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی تبلیغی واصلاحی، تعلیمی وتصنیفی خدمات کو صدقۂ جاریہ بنائے اور ان کے جملہ تلامذہ، مریدین ومعتقدین، محبین واہل سلسلہ، پس ماندگان وجملہ سوگواران کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ ❑❑❑

ص ۶ رکا بقیہ..

رخ روشن مسخ ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ بدمذہبوں اور گستاخوں کے لئے امام احمد رضا کا سخت لب ولہجہ اسی دفاعی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ تھا۔

اختلافِ رائے کا انداز

یہ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا نے بعض مسائل میں اپنے مخالف نظریات پر شدید تنقید کی ہے، لیکن ان کے علمی ذخیرے میں قرآن وحدیث سے استدلال، ائمہ کی تعظیم، فقہی اصولوں کی پابندی، امت کی اصلاح کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی عالم کی کسی رائے یا تعبیر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن علمی اختلاف اور شخصی تشدد میں فرق ملحوظ رکھنا بہر حال لازم ہے۔

تصوف اور اخلاق کا پہلو

امام احمد رضا خود ایک صوفی سلسلے سے وابستہ تھے اور ان کے یہاں عشقِ رسول ﷺ، ادبِ مصطفیٰ ﷺ اور روحانی تربیت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری، رسائل اور تحریروں میں عقیدت ومحبت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ ایک متشدّد مزاج شخصیت میں عام طور پر ضبط وتحمل، محبت ومروّت اور روحانی وابستگی کی وہ کیفیت خال ہی نظر آتی ہے جو امام احمد رضا کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔

علمی دنیا میں مقام

امام احمد رضا کے بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں: اکثر علما انہیں اپنے دور کا عظیم فقیہ، مجدد اور محافظ سنت قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض مخالفین ان کے بعض سخت مواقف سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن یہ بات بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ان کی علمی صلاحیت، فقہی گہرائی اور تحریری خدمات غیر معمولی ہیں، جو موافقین تو کجا مخالفین کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔

اس تحقیقی جائزے سے واضح ہوا کہ امام احمد رضا کو "متشدد" کہنا ان پر ظلم کے سوا کچھ نہیں، ان کے یہاں تشدد کے بجائے اپنے علمی واعتقادی اصولوں پر ثابت قدمی اور تصلّب کا پہلو زیادہ غالب ہے، جسے مخالفین تشدد کا نام دیتے ہیں۔

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی شخصیت کو اس کے پورے علمی، تاریخی اور فکری پس منظر میں دیکھا جائے، نہ کہ صرف چند اقتباسات کی بنیاد پر! امام احمد رضا کا امتیازی وصف جذباتی "تشدّد" نہیں بلکہ علمی استقامت، فقہی بصیرت اور اپنے مذہبی اصولوں کی حفاظت ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنے بے گانے کسی کی بھی ذرّہ برابر رعایت نہیں کرتے۔ ❑❑❑

مہر فاطمی اور فقہ رضا

از: سید مہتاب عالم

امام اہلِ سنت سے سوال ہوا نکاح کے وقت مہر فاطمی کا ذکر ہوا تو شوہر پر مہر کون سا واجب ہوگا؟ مہر فاطمی واجب ہوگا یا مہر فاطمی کے بارے روایات کے اختلاف کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوگا؟ جواب میں امام اہلِ سنت نے تحقیق کے دریا بہا دیئے ہیں، اوّل تو یاد رکھیں کہ صدیوں سے مسلمانوں کی اہلِ بیت سے محبت ہے کہ مہر فاطمی کا ذکر و تقرر کرتے آئے ہیں تا کہ دلہنوں کو سیدہ فاطمہ زہراء کے مبارک نکاح سے برکتیں ملیں۔

دوم صدیوں سے اعلیٰ حضرت تک کوئی محقق یہ نہیں کہنے والا تھا کہ مہر فاطمی ہی کیوں؟ اس طرح کرنے سے رافضیت و تفضیلیت کو تقویت ملتی ہے، یہ گھٹیا سوچ آج کے چند محققین کی خود ساختہ ہے جنہوں نے سنیت میں رافضیت فوبیا و تفضیلیت فوبیا کی بیماری کو پھیلا دیا ہے، ان بدبختوں کو اہلِ بیت کی ہر شان تفضیلیت لگتی ہے بہر حال امام اہلِ سنت نے جواباً فرمایا: سوال کے مطابق مہر فاطمی ہی رہے گا، تحقیقی وضاحت میں فرمایا کہ اس بارے تین روایات مستند ہیں:

﴿1﴾ مہر مبارک درہم و دینار نہ تھے بلکہ ایک زرہ کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی وہی مہر میں دی گئی! یہاں بڑی قابلِ غور بات ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جہاں بھی مہر کا ذکر کیا وہاں بڑے باادب انداز سے ذکر کیا ہے مثلاً مہر مبارک یا مہر اقدس یا مہر کریم۔

﴿2﴾ وہ مہر مبارک چار سو اسی درھم تھے یعنی وہ زرہ مبارک بیچی گئی جس کی قیمت چار سو اسی درہم بنے تھے۔

﴿3﴾ وہ مہر مبارک چار سو مثقال چاندی تھی آخر میں روایات ذکر کرنے کے بعد فرمایا پس حاصل یہ قرار پایا کہ اصل مہر کریم جس پر عقد اقدس واقع ہوا چار سو مثقال چاندی تھی زرہ برسم پیشگی وقت زفاف دی گئی کہ بحکمِ اقدس چار سو اسی درہم کو بکیا یک مثقال ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہے، نکاحِ مبارک میں زرہ مہر معجّل تھی۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد 12 ص 155)

یہ اعلیٰ حضرت کا خاصہ ہے کہ فقہی باریکیاں یوں بیان فرماتے ہیں کہ جہالت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، فتاویٰ رضویہ پڑھیں تفقہ پیدا ہوگا۔

□□□

بھاجپائی حکومت اور مسلمانانِ ہند

از: مولانا طارق انور مصباحی

(1) اگر کانگریسی اتحاد (INDIA) کوشش کرے تو مرکز میں حکومت سازی زیادہ مشکل نہیں، کچھ قربانی دینی پڑے گی۔ راہل گاندھی کو وزیر اعظم بنانے کی ضد ترک کرنی پڑسکتی ہے۔ بہر حال کانگریسی اتحاد کوشش میں مصروف ہے، لیکن کوشش کمزور ہے اور حکمت عملی شاید کوشش سے بھی زیادہ کمزور۔ ممتا بنرجی ریاستی الیکشن میں شکست کے بعد کچھ سنجیدہ نظر آ رہی ہے، ہوسکتا ہے کہ مستحکم منصوبہ بندی کی جا رہی ہو۔

(2) مرکز میں اور ریاستوں میں بھاجپائی حکومت کے سبب کمزور مسلمانوں کے درمیان ارتداد پھیل جانے کا خدشہ ہے، کیوں کہ زعفرانی حکومت مسلمانوں کو اس قدر تنگ کرتی ہے کہ مسلمان گھر واپسی (ہندو دھرم اختیار کرنے) پر مجبور ہو جائیں۔ اکا دکا مولوی جو نفس پرستی اور شکم پروری کے مرض مہلک میں مبتلا ہیں، وہ بھی قوم مسلم کو غلط راہ پر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ کوئی بتوں کی مدح سرائی کرتا ہے۔ کوئی بھجن گاتا ہے۔ کوئی ہنومان چالیسا پڑھتا ہے۔ ایسے لوگ زہر ہلاہل سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

(3) تاویل پرستوں کا طبقہ بھی بہت سے ناجائز امور کو جائز بتانے کے لئے عجیب وغریب تاویلیں گڑھ رہا ہے۔ بظاہر سکون معلوم ہوتا ہے، لیکن اندرون خانہ مسلمانوں کا ماحول متاثر ہوتا جا رہا ہے۔ کم از کم مقررین ومحررین ہی مورچہ سنبھالیں اور امت مسلمہ کو بیدار رکھنے کی کوشش کریں۔

□□□

زباں پر حمد رب اور نغمہ صل علیٰ ہوگا

(از: مولانا اشرف رضا قادری

زباں پر حمد رب اور نغمہ صل علیٰ ہوگا
بہار خلد ہوگی حاجیوں کا قافلہ ہوگا
سکون قلب کا مرہم ملے گا سارے حاجی کو
مدینے میں ہر اک ارمان کا گلشن کھلا ہوگا
وہ منظر کس قدر ہوگا حسیں جب چاہ زمزم پر
دوانوں تشنہ کاموں کا حسیں میلہ لگا ہوگا
منیٰ کی وادی اور عرفات کے میدان کا منظر
خدا ہی جانے کتنا پرکشش اور خوش نما ہوگا
چلو اے حاجیو مکے سے اب شہر مدینہ کو
وہاں پر موجزن سرکار کا بحر عطا ہوگا
دم رخصت کسی کی آنکھ پرنم ہوگی حسرت سے
کوئی مڑ مڑ کے روضہ مصطفیٰ کا تک رہا ہوگا
شہنشاہ مدینہ کی سفارش اور بخشش سے
گنہ گاروں کے حق میں حشر کے دن فیصلہ ہوگا
در سرکار پر جب ہوگی اپنی حاضری اشرفؔ
مرادوں کے گل تازہ سے پھر دامن بھرا ہوگا

ارض طیبہ کی طرح فخر سماوات کہاں

(از: سید خادم رسول عینیؔ، بھدرک

ارض طیبہ کی طرح فخر سماوات کہاں
جس میں ہو ان کی دعا، ایسی ہیں برکات کہاں
جلوہ گر ہیں یہاں سرکار پر انوار نبی
شہر طیبہ کی طرح نور کے لمحات کہاں
لاکھ نیکی کے برابر ہے وہاں اک نیکی
شہر مکہ کی عبادت سی عبادات کہاں
زائرین حرم پاک کو کہتے یہ سنا
طیبہ سا دن ہے کہاں، طیبہ سی ہے رات کہاں
دیتا ہے لذت پر کیف فراق محبوب
جو جدائی میں نہاں، وصل میں وہ بات کہاں
قبر تیرہ کو عطا کر دیں جو تنویر مدام
سرور دین کی جیسی ہیں ہدایات کہاں
عینیؔ آمد سے ہوئیں ان کی بلائیں بے گھر
دیکھئے شہر مدینہ میں اب آفات کہاں

حبیب کبریا کا مرتبہ کس کو پتہ کیا ہے

(از: مولانا مدثر حسین اشرفی پورنوی

حبیب کبریا کا مرتبہ کس کو پتہ کیا ہے
خدا ہی جانتا بیشک نبی کا مرتبہ کیا ہے
خدائے پاک پڑھتا ہے درودِ پاک آقا پر
ذرا سوچو مسلمانو مقامِ مصطفیٰ کیا ہے
صحابہ جیسی الفت ہو رسولِ پاک سے میری
یہی انمول ہے نعمت بھلا اس کے سوا کیا ہے
سبھی چاہے رضائے رب مگر یہ شان ہے ان کی
نبی سے رب یہ کہتا ہے بتا تیری رضا کیا ہے
اشارے میں نبی نے چاند کے ٹکڑے کیے منکر
نہیں کہتے اسے گر معجزہ تو معجزہ کیا ہے
رسولِ پاک کی الفت نہیں ہے جس کے سینے میں
وہ عابد خواہ کتنا ہوں پر اس سے فائدہ کیا ہے
مدثر کاش محشر میں رسولِ پاک فرمائیں
کھلا ہے باب جنّت کا چلا جا سوچتا کیا ہے

تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت

(از: مولانا محمد جسیمؔ اکرم مرکزی، پورنوی — پچھلے ماہ کا بقیہ

حفظ دیں کے واسطے یہ کر رہے ہیں احتجاج
چھوڑ کر دنیا کی ساری بادشاہی اور راج
دس محرم یوم عاشورا لٹا کے تخت و تاج
جمعہ کا دن ہے کتابیں زیست کی طے کر کے آج
کھیلتے ہیں جان پر شہزادگان اہل بیت

اے نسیم صبح یہ کیا حال ہے کچھ تو بتا
جو ابھی کھلنے کو تھا وہ پھول ہے ٹوٹا پڑا
لگ گئی کس کی نظر تجھ کو بہارِ کربلا
اے شباب فصل گل یہ چل گئی کیسی ہوا
کٹ رہا ہے لہلہاتا بوستان اہل بیت

بہر استقبال آئی حورِ جنت زار ہے
منتظر کوثر پہ نانا احمدِ مختار ہے
روح اب تن سے نکل کر جانے کو تیار ہے
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میان اہل بیت

دیکھ تو نظریں اٹھا کر سامنے ہے کس کی ذات
کیا نہیں تو جانتا اس ذات کی اعلیٰ صفات
بہہ رہا ہے کس لیے کس کے لیے اے بے ثبات
خشک ہو جا خاک ہو کر خاک میں مل جا فرات
خاک تجھ پر دیکھ تو سوکھی زبان اہل بیت

جا رہا ہے چھوڑ کر بے آب و دانہ ہی سُہاگ
بج رہا ہے آسماں میں رنجش و کلفت کا راگ
یہ نظارہ دیکھ کر غم کو لگی ہے غم کی آگ
وقت رخصت کہہ رہا ہے خاک میں ملتا سہاگ
لو سلام آخری اے بیوگان اہل بیت

کربلا میں ہر طرف سے ظالموں کا گھیر ہے
ہاتھوں میں تلوار خنجر اور دلوں میں بیر ہے
سینکڑوں کتوں کی جھرمٹ میں اکیلا شیر ہے
کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروان اہل بیت

خط پہ خط لکھ کر جسے ارضِ مدینہ سے بلائے
جس کی کرنوں سے بھٹکتے لوگ اپنی راہ پائے
یہ کبھی سوچا نہ تھا شام سیہ سے قبل ہائے
ابر فوج دشمناں میں اے فلک یوں ڈوب جائے
فاطمہ کا چاند مہر آسمان اہل بیت

چار جانب سے ہزاروں گھات میں خونخوار ہیں
تیغ و شمشیر و سناں کے زخم سے دو چار ہیں
خون سے رنگین کپڑے خوبرو خار ہیں
خاک پر عباس و عثمانِ علمبردار ہیں
بے کسی اب کون اٹھائے گا نشان اہل بیت

پینے کو تیار ہیں سب جذبۂ ایثار میں
کیا نشہ رکھا ہے جام خنجر و تلوار میں
اک عجب سی ہے حلاوت ملتی ہر ہر وار میں
کس مزے کی لذتیں ہیں آب تیغ یار میں
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں تشنگان اہل بیت

حامیان شمر و خولی کے لیے آداب ہوں
ہوں یزیدی بھیڑیے یا پھر ترے احباب ہوں
پیڑ پودے کشت ویراں جھاڑیاں شاداب ہوں
تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبان اہل بیت

دیکھ کر خونریز عالم آسماں ہے رو رہا
یوم عاشورا کو یہ کیسا ہوا ہے معرکہ
جمع کرنے قطرۂ خوں سرزمینِ کربلا
باغ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوب خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگان اہل بیت

رزم گاہ کربلا میں لڑتے لڑتے بے خطر
فی سبیل اللہ لٹا کے مال و جاں قلب و جگر
تیر کھا کر سر کٹا کر خوں سے ہو کر تر بتر
قافلہ سالار منزل کو چلے ہیں سونپ کر
وارث بے وارثاں کو کاروان اہل بیت

سرزمینِ کربلا میں مرحبا بولے ہوئے
شربتِ دیدار اپنی آنکھوں میں گھولے ہوئے
بار تکلیف و مصائب پیٹھ پر تولے ہوئے
حوریں بے پردہ نکل آئیں ہیں سر کھولے ہوئے
آج کیسا حشر برپا ہے میان اہل بیت

بے وطن بے آب و دانہ ہائے کیسی بے بسی
شہر بانو حضرت زینب سکینہ ہیں دکھی
سانس چلتی رک رہی ہے عابد بیمار کی
کوئی کیوں پوچھے کسی کو کیا غرض اے بیکسی
آج کیسا ہے مریضِ نیم جانِ اہل بیت

اس وفا کی داستاں کی کیا کوئی تمثیل لائے
سہ گیا جور و جفا سب کیسے کیسے ہائے ہائے
تین دن تک بھوکا پیاسا رہ کے تیر ظلم کھائے
گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت

توڑ کر زنجیر زنداں اور سارے قید و بند
لگ رہا ہے آسماں پر ڈال رکھے ہیں کمند
دیکھ کر حیرت میں ہے اعزاز ان کا شر پسند
سر شہیدان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شان اہل بیت

اے یزیدی در حقیقت ہے یہی فتح و ظفر
مرد حق آگاہ شیرِ مرتضیٰ شیر ببر
دولتیں ساری لٹا کر راہِ شاہِ دین پر
دولت دیدار پائی پاک جانیں بیچ کر
کربلا میں خوب ہی چمکی دوکان اہل بیت

جو کوئی بھی کر نہ پایا آج تم نے وہ کیا
دیکھ کر افلاک پر شمس و قمر شرما گیا
لا کے دسترخوان پر سیف وسناں خنجر رکھا
زخم کھانے کو تو آب تیغ پینے کو دیا
خوب دعوت کی بلا کر دشمنان اہل بیت

ان کو اپنے ساتھ لے کر حضرت شبّر گئے
کونسے وہ راستے ہیں کونسا وہ در گئے
کوئی پوچھے کیا بتائیں کس طرف بے گھر گئے
اپنا سودا بیچ کر بازار سونا کر گئے
کون سی بستی بسائی تاجرانِ اہل بیت

کیا بگاڑی ہیں تمہارا نیک سیرت ہستیاں
کیا نہیں سنتے ہو ان کی سرد آہیں، سسکیاں
ڈالتے ہو کس طرح سے ان کے ہاتھوں بیڑیاں
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیہم دشمنان اہل بیت

چار دن کی چاندنی ہے اور یہ رعنائیاں
پھر تمہارے واسطے ہیں نار کی تاریکیاں
حشر میں ہوگی تمہاری ہر طرف رسوائیاں
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیہم دشمنان اہل بیت

با ادب، دم بستہ، ہو کے محو عشقِ پنجتن
بے سند کوئی روایت اور نہ آثار و سنن
اے جسیم قادری اے واصف شاہ زمن
بے ادب گستاخ فرقے کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سنی داستان اہل بیت

سنیوں کی جان ہیں اختر رضا

از: محمد کلام رضا، فرخ آباد

سنیوں کی جان ہیں اختر رضا
عشق کی پہچان ہیں اختر رضا

ہے فتاویٰ ازہریہ سے عیاں
نائب نعمان ہیں اختر رضا

لگ رہا ہے نعتیہ دیوان سے
نائب حسان ہیں اختر رضا

متحد پھر سنیوں کو کیجئے
ہم بہت ویران ہیں اختر رضا

دیکھ کر تیرے جنازے کا سماں
سب کے سب حیران ہیں اختر رضا

جانشین مفتی اعظم ہوئے
اس لئے ذیشان ہیں اختر رضا

منظومات

دفن ہوگی جن سے صلح کلیت
تیری وہ برہان ہیں اختر رضا

آپ کے بعد آپ کے عسجد رضا
وقت کے سلطان ہیں اختر رضا

آپ کے صدقے میں اس ناچیز کی
مشکلیں آسان ہیں اختر رضا

جامعہ ازہر کو ان پہ فخر اور
فخرِ ہندوستان ہیں اختر رضا

اس لئے بےخوف رہتا ہے کلام
خلد کا سامان ہیں اختر رضا

جہانِ اہلِ سنت کے ہیں رہبر قائد ملت

از: قاری محمد رضوان عالم، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

جہانِ اہلِ سنت کے ہیں رہبر قائد ملت
شہنشاہِ مدینہ کے ثنا گر قائد ملت

بڑے نکلے وہ قسمت کے سکندر قائد ملت
جو تم سے پا گئے فیضانِ اختر قائد ملت

نہ کیوں دیکھیں تمہیں سب آنکھ بھر کر قائد ملت
کہ تم ہو جانشینِ فخرِ ازہر قائد ملت

تمہیں دیتے ہیں غم اپنے ہی اکثر قائد ملت
مگر تم ہو بھلا دیتے ہو ہنس کر قائد ملت

بگاڑیں گے تمہارا کیا ستم گر قائد ملت
تمہارا جب ہے حامی رب اکبر قائد ملت

ہے بازو میں تمہارے زورِ حیدر قائد ملت
عدو کے دل میں بیٹھا ہے یہی ڈر قائد ملت

اگر محفل میں آجائیں مشام جاں مہک
اُٹھے ہیں عطرِ عشقِ آقا سے معطر قائد ملت

بس اک قطرے میں ہی دنیا کی لذت بھول جاؤ گے
مدینے کا پلاتے ہیں وہ ساغر قائد ملت

کمال و حکمت و دانائی میں اسلاف کے مظہر
چراغِ معرفت سے ہیں منور قائد ملت

شریعت میں ہو بے شک تم نبی کے عاشق صادق
طریقت میں ہو تم مردِ قلندر قائد ملت

جبین آرزو اے خاک زادو رکھ دو راہوں میں
لٹاتے جا رہے ہیں لعل و گوہر قائد ملت

کوئی تو بات ہے جس سمت جاتے ہو تو دیوانے
دل و جاں تم پہ کرتے ہیں نچھاور قائد ملت

ترا شہباز رفعت عرش پر ہے اور ترے حاسد
اُڑاتے ہیں خیالوں کے کبوتر قائد ملت

ضیائے غوثِ اعظم سے شرف کے آسمانوں پر
درخشاں ہے تری عظمت کا نیر قائد ملت

تری موجِ کرم ہے موجِ فیض شاہِ جیلانی
سدا جاری رہے گا یہ سمندر قائد ملت

اگر اربابِ علم و فضل گردانیں تو حیرت کیا
ہیں علامہ ضیا کا آپ محور قائد ملت

نہ کیوں دیکھیں عقیدت سے رخِ شہرِ محبت ہم
بریلی تیرے ماتھے کا ہیں جھومر قائد ملت

غلام شاہِ بطحا کے لئے فصل گلستاں ہیں
اور اعدا کے لئے خونخوار خنجر قائد ملت

سعودی حکمرانوں پر یہ کُھل جانا بھی لازم تھا
کہ تم ہو اعلیٰ حضرت کے گلِ تر قائد ملت

نہ چھو پائی حسد کی آگ تیرا دامن عزت
مٹا ہے وقت کے نمرود کا شر قائد ملت

انہیں اہلِ نظر رکھیں نہ کیوں پھر حجرۂ جاں میں
جہانِ سنیت کی ہیں دھروہر قائد ملت

شبِ ہستی مری رضوان ہو جائے گی تابندہ
مری صُبحِ تمنا کے ہیں اختر قائد ملت

ہیں جلوہ حضرت عسجد رضا تاج الشریعہ کا

از: پھول محمد نعمت رضوی، برہم پوری سرلاہی نیپال

ہیں جلوہ حضرت عسجد رضا تاج الشریعہ کا
میں ان سے فیض لینے آ گیا تاج الشریعہ کا

بقیہ ص ۷۱ پر

منظومات

सुन्नी दुनिया में इश्तिहार देकर अपने कारोबार और इदारे को फ़रोग़ दें

Monthly Package Four Colour महाना पैकेज फोर कलर

S. No.	Adv. Space	کوارٹر پیج Quarter Page	ہاف پیج Half Page	فل پیج Full Page	اشتہار کی جگہ	نمبر شمار
1	Back Title Page	8000/-	10000/-	15000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	6000/-	8000/-	12000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	4000/-	6000/-	10000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Quarterly Package Four Colour तिमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	20000/-	25000/-	35000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	15000/-	20000/-	30000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	10000/-	15000/-	25000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Half Yearly Package Four Colour छमाही पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	30000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	20000/-	35000/-	50000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	15000/-	25000/-	40000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Yearly Package Four Colour सालाना पैकेज फोर कलर

1	Back Title Page	50000/-	70000/-	100000/-	بیک ٹائٹل پیج	۱
2	Back Side of Front Title Page	35000/-	60000/-	80000/-	فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۲
3	Back Side of Back Title Page	25000/-	40000/-	60000/-	بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ	۳

Black & White Package any in side Magzine ब्लैक एण्ड व्हाईट पैकेज रिसाला में कहीं भी

1	Monthly	1500/-	3000/-	5000/-	ماہانہ	۱
2	Quarterly	4000/-	8000/-	12000/-	سہ ماہی	۲
3	Half Yearly	7000/-	12000/-	16000/-	ششماہی	۳
4	Yearly	10000/-	16000/-	20000/-	سالانہ	۴

नोट:-

1 तीन महीने का मतलब कोई भी तीन महीने, इसी तरह 6 या 12 महीने का मतलब कोई भी 6 या 12 महीने।

2 वक़्त और हालात के पेशे नज़र इश्तिहार की इबाअत मुक़द्दम व मुवख़्ख़र भी हो सकती है।

3 पूरे इश्तिहार की रक़म एक मुश्त पेशगी जमा करनी होगी।

Contact: 82 Saudagaran, Dargah Aalahazrat, Bareilly Sharif (U.P.), Pin - 243003, Mob. 9411090486
Account Details: Asjad Raza Khan, SBI A/c No. 10592358910, IFSC Code: SBIN0000597

RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2026-28

JULY, AUGUST-2026
PAGES 100 WITH COVER

THIS COPY : ₹ 60.00
PER COPY : ₹ 30.00
PER YEAR : ₹ 350.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan